ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور

۱۹ رجب ۱۳۹۹ھ ؛ ۱۵ جون ۷۹ء
جلد ۲۴ ؛ شمارہ ۵۰

اس شمارے میں



رئیس الادارہ
پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

مدیر منتظم : میاں محمد اجمل قادری
مدیر : محمد سعید الرحمٰن علوی
مدیر معاون : صالح محمد حضروی

بدل اشتراک | سالانہ ۶۰/- روپے، ششماہی ۳۰/- روپے
| سہ ماہی ۱۵/- روپے - فی پرچہ ۵۰/۱ روپیہ

# گول میز کانفرنس

برصغیر ہند و پاکستان میں گول میز کانفرنسوں کا ایک عرصہ سے رواج ہے۔ جب یہاں انگریز کا راج تھا تو کئی کانفرنسیں ہوئی تھیں جن کا داعی انگریز ہوا کرتا تھا اور ان میں مختلف قومی رہنما شریک ہوا کرتے تھے۔ انگریز کا اپنا مخصوص مزاج تھا۔ اور وہ ہندوستانیوں کو غلام رکھنا اپنی معراج تصور کرتا تھا۔ جب کبھی ملک میں آزادی کی تحریک میں تیزی آتی تو شاطران افرنگ کوئی نہ کوئی چکر چلا کر اس جذبہ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے اور بیچارے سیاستدان معلوم و نامعلوم مصالح کی بناء پر ہر قسم کی کانفرنسوں میں شریک ہو جاتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کی کسی کانفرنس کا کبھی کوئی نتیجہ نہ نکلا اور لیڈر صاحبان لندن یاترا کے بعد واپس تشریف لے آتے۔ انگریز کے جانے کے بعد اس کی کئی بدعات ہمارے معاشرے کا روگ بن چکی ہیں۔ اس میں ایک روگ تو خیر جمہوریت کا ہے جس پر اقبال جیسے آدمی نے بھی تند و تیز تنقید کی اور اسے ایک ایسا نظام بتلایا جس میں بندوں کو گنا تو جاتا ہے تولا نہیں جاتا۔ انہوں نے مغز دو صد خر کو ایک "انسان" کے مقابلے میں ہیچ قرار دیا۔ لیکن ہم ہیں کہ بےچارے اقبال کو مفکر و مصور پاکستان کہنے کے باوجود اسی "نظام شر" کے علمبردار بنے ہوئے ہیں اور ہماری تمامتر جد و جہد کا محور یہی جمہوریت ہے ——— فیا للعجب !

اسی طرح کی ایک بدعت گول میز کانفرنس بھی ہے پاکستان میں اس قسم کا کھڑاگ رچانے کی کبھی کبھار مشق ہوتی رہتی

ہے۔ مرحوم ایوب خان نے دمِ واپسیں کانفرنس بلانے کا اعلان کیا پھر وہ منعقد بھی ہوئی۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ وہی ڈھاک کے تین پات۔

اس کانفرنس میں اسلام کے ایک "اجارہ دار" نے علماء کے متفقہ بائیس نکات سے عجیب انداز سے جان چھڑائی اور پھر اس میں جو بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئیں تو وہ کانفرنس ناکامی کا شکار ہو گئی۔ ادھر مولانا بھاشانی اور مسٹر بھٹو کا طرزِ عمل ایسا تھا جو اس اجتماعی مشورہ کو سودا بازی کا نام دے کر نوجوانوں کو مشتعل کر رہا تھا اور ہمارے یہ بھولے عزیز شاطرانِ سیاست کی فسوں گری کا شکار ہو کر "سودے بازی نہیں چلے گی" کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھائے ہوئے تھے۔ بعد ازاں پھر کسی نہ کسی درجہ میں اس قسم کے تجربات ہوتے رہے بھٹو صاحب نے اپنے اقتدار کے آخری دنوں میں قومی اتحاد کی سہ رکنی ٹیم سے جو مذاکرات کیے اسے گول میز کانفرنس کہنا تو صحیح نہیں۔ لیکن بہرحال وہ بھی اسی قسم کا ایک تجربہ تھا اب پھر اسی قسم کی آوازیں اٹھ رہی ہیں اور بلدیاتی انتخاب جیسے مسائل پر گول میز کانفرنس کا امکان پیدا ہو گیا ہے لیکن ہمارا اندازہ یہ ہے کہ اس کا نتیجہ بھی وہی نکلے گا جو اس نوع کی کانفرنسوں کا پہلے نکلتا رہا ہے ـــــ بلدیاتی انتخابات کی حد تک حالت یہ ہے کہ اکثر و بیشتر سیاسی جماعتیں اس کے خلاف اپنے تند و تیز جذبات کا اظہار کر رہی ہیں جبکہ حکومت اس پر مصر ہے۔ جب حکومت اس پر اصرار کر رہی ہے تو پھر یہ اقدام وقت و سرمایہ کے ضیاع کے مترادف ہوگا اور ممکن ہے کہ حکومت اور سیاسیین کے درمیان محاذ آرائی کی شکل پیدا ہو جائے اس لیے تاوقتیکہ فریقین کھلے دل کے ساتھ اپنے اپنے مؤقف میں لچک پیدا نہ کریں اس قسم کا اقدام ملک کے حق میں سودمند نہ ہوگا۔

افسوس اور دکھ اس بات کا ہے کہ "اسلام" جو ہم سب کا دین اور ہم سب کی خواہش ہے اسے پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ و عشر کے معاملہ میں حکومتی اعلان کے نتیجہ میں عجیب و غریب قسم کی بحثیں چھڑ گئی ہیں اور انکم ٹیکس کے اہلکاروں سے سے پریشان دنیا اس معاملہ پر زورِ تحقیق صرف کر رہی ہے کہ زکوٰۃ کے نفاذ کے بعد اس ٹیکس کو باقی رکھنا چاہیے یا نہیں؟ ادھر مختلف مقامات سے زکوٰۃ وغیرہ اکٹھا کرنے کے لیے جو کمیٹیاں بن رہی ہیں وہ انہی "شرفا شہر" پر مشتمل ہیں۔ جن کے دامن پہلے سے تر ہیں اور جو ملک و قوم کے حقوق کی بربادی میں برابر کے شریک ہیں۔ زکوٰۃ و عشر کے علاوہ "اسلامی سزاؤں" کا اعلان ہوا تو ان کا حال یہ ہے کہ ایک عدالت ایک سزا دیتی ہے تو دوسری اسے کالعدم قرار دے دیتی ہے؟ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں؟ اسلام اپنے احکامات کے معاملہ میں اپیلوں کا قائل نہیں اور اس سے بڑھ کر کوئی ستم ظریفی نہیں کہ ایک عدالت ایک چیز کو اسلام کا نام دے اور دوسری اسے اڑا دے! اس المیہ کا بنیادی سبب یہ ہے کہ جو نونہال ایک مخصوص تعلیمی نظام میں پروان چڑھے انہیں عقلِ کل سمجھ کر انہی پر اعتماد کر لیا گیا ہے اگر

(باقی ۸ پر)

ضبط و ترتیب ڈاکٹر مناظر حسین نظر

# اللہ سے غفلت برائیوں کی جڑ ہے !!

## ظالموں کو ان کے کرتوتوں کی سزا مل کر رہتی ہے اور وہ دوسروں کے لیے نشانِ عبرت بن جاتے ہیں

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبید اللہ انور مدّ ظلہم ○

الحمد للہ و کفیٰ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:—

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ٥ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ٥ (پ ۱۴ س الحجر، آیت ۷۸-۷۹)

ترجمہ: اور بن کے لوگ بھی بدکار تھے۔ پھر ہم نے ان سے بھی بدلہ لیا اور یہ دونوں بستیاں کھلے راستہ پر واقع ہیں۔

### حاشیہ مرشدی و مولائی حضرت شیخ التفسیر قدس سرہ

بَن کے رہنے والے شعیب علیہ السلام کی قوم بھی ظالم تھی۔ ان سے بھی ہم نے حق سے اعراض کرنے کا بدلہ لیا اور ان دونوں کی بستیاں شاہراہ پر ہیں۔

## بَن کے رہنے والے کون تھے اور ان کے گناہ

### حاشیہ شیخ الاسلام مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

بَن کے رہنے والے یعنی قوم شعیبؑ شہر "مدین" میں رہتے تھے جس کے نزدیک درختوں کا بن تھا کچھ وہاں رہتے ہوں گے بعض کہتے ہیں "اصحاب الایکہ" اور "اصحاب مدین" دو جداگانہ قومیں ہیں۔ حضرت شعیب دونوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان لوگوں کا گناہ شرک و بت پرستی، ڈاکہ زنی اور ناپ تول میں فریب اور دھوکہ کرنا تھا۔

## قوم شعیب کا مسکن

حجاز و شام کے جس رستہ پہ قوم لوطؑ کی بستیاں تھیں وہیں ذرا نیچے اتر کر قوم شعیبؑ کا مسکن تھا۔ دونوں کے آثار رستہ چلنے والوں کو نظر آتے ہیں۔

**حاصل** یہ نکلا کہ راہِ حق سے اعراض کرنے والے ظالم اور گنہگار ہیں، اور ظالموں کو ان کے کرتوتوں کی سزا مل کر رہتی ہے نتیجتاً وہ دوسرے راہروں کے لیے نشانِ عبرت بن جاتے ہیں۔

## حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ط ..... تا ..... اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ٥ (پ ۱۲ - س ھود، آیت ۸۴ تا ۹۵)

ترجمہ: اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ کہا، اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ماپ اور تول کو نہ گھٹاؤ۔ میں تمہیں

آسودہ حال دیکھتا ہوں اور تم پر ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اور اے میری قوم! انصاف سے ماپ اور تول کو پورا کرو! اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو۔ اور زمین میں فساد نہ مچاؤ۔ اللہ کا دیا ہوا جو باقی بچ رہے وہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایماندار ہو۔ اور میں تمہارا نگہبان نہیں انہوں نے کہا اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے تھے یا اپنے مالوں میں اپنی خواہش کے مطابق معاملہ نہ کریں بے شک تو البتہ بردبار نیک چلن ہے — کہا۔ اے میری قوم! دیکھو تو سہی اگر مجھے اپنے رب کی طرف سے سمجھ آ گئی ہے اور اس نے مجھے عمدہ روزی دی ہے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس کام سے تمہیں منع کروں میں اس کے خلاف کروں۔ میں تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح ہی چاہتا ہوں اور مجھے تو صرف اللہ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے اور اے میری قوم! کہیں میری ضد سے ایسا جرم نہ کر بیٹھنا کہ جس سے وہی مصیبت نہ آ پڑے جیسی کہ قوم نوحؑ یا قوم ہودؑ یا قوم صالحؑ پر پڑی تھی اور لوطؑ کی قوم بھی تم سے دور نہیں۔ اور اپنے اللہ سے معافی مانگو — پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ بے شک میرا رب مہربان محبت والا ہے۔ انہوں نے کہا۔ اے شعیبؑ! ہم بہت سی باتیں نہیں سمجھتے جو تم کہتے ہو اور بے شک ہم البتہ تمہیں اپنے میں کمزور پاتے ہیں اور اگر تیری برادری نہ ہوتی تو تجھے ہم سنگسار کر دیتے اور ہماری نظر میں تیری کوئی عزت نہیں ہے۔ کہا۔ اے میری قوم! کیا میری برادری کا دباؤ تم پر — اللہ سے زیادہ ہے۔ اس کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے — بے شک میرا رب تمہارے سب اعمال پر احاطہ کرنے والا ہے۔ اور اے میری قوم! اپنی جگہ پر کام کئے جاؤ۔ میں بھی کام کرتا ہوں۔ آئندہ معلوم کرو گے کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور جھوٹا کون ہے اور انتظار کرو بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں اور جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے شعیبؑ کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان ظالموں کو کڑک نے آ پکڑا۔ پھر صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔ گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے — خبردار! مدین پر پھٹکار ہے جیسے ثمود پر پھٹکار ہوتی تھی۔

## مدین اور اصحابِ مدین

مدین ایک بستی اور جگہ کا نام تھا۔ یہ بستی خلیج عقبہ کے قریب جزیرہ نمائے سینا سے ملحق واقع تھی۔ اس کے آس پاس درختوں کا ایک بن تھا جس کو "ایکہ" بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ اسی لیے "اصحاب الایکہ" یعنی بن کے رہنے والے کے الفاظ قرآن پاک میں استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ خطہ سرسبز و شاداب اور آباد تھا۔ لوگ خوشحال تھے اور یہی خوشحالی ان کی غفلت کا باعث ہوئی۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ خوشحال و فارغ البال ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں لیکن مومن کی نشان یہ ہے کہ وہ کسی حال میں

بھی خداوند عالم کو نہ بھولے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے

؎ ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانئے گا
گو ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی
جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

بہرحال "اصحابِ مدین" غفلت کا شکار ہو گئے، سرسبز اور میوہ دار درختوں کو پوجنے لگے اور دنیا کی حرص و ہوا میں اس قدر گرفتار ہو گئے کہ ہر کام میں فریب اور دھوکا دینے لگے وہ اتنے لالچی اور دھوکہ باز ہو گئے کہ دام تو پورے لے لیتے مگر جنس کی ناپ تول میں کمی کر دیتے۔

## قوم کو نصیحت

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا کہ شرک و کفر سے یا کم ناپنے تولنے سے یا کسی بھی دوسری طرح اتلافِ حقوق اور ظلم و ستم کر کے فساد کا باعث نہ بنو۔ کیونکہ ایک صاحبِ ایمان سے ظلم و فساد کا ارتکاب ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ایک ایماندار کے لیے اللہ کا دیا ہوا اثاثہ جو ٹھیک ٹھیک حقوق ادا کر کے بچ رہے گو قلیل ہو اُس کثیر سے بہتر ہے جو حرام طریقہ سے حاصل کیا جائے یا جس میں لوگوں کے حقوق مارے جائیں۔

## نافرمانوں کا جواب

## سرکشوں کی بھبھکیاں

خطیب الانبیاء کی پُرسوز اور درد بھری دعوت اور نصیحتوں کے جواب میں قوم کے نافرمانوں نے وہی کچھ کہا جو ایسے مواقع پر سرپھرے اور بدبختانِ ازلی کہا کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا:۔

"اے شعیبؑ! آخر یہ تیری لمبی لمبی نمازیں رنگ لائیں آپ خیر سے ہمارے مشفق، ناصح بن کر تشریف لائے ہیں۔ اور نصیحت کرنے بیٹھے ہیں کہ باپ دادا کی رسمیں چھوڑ دو گویا ہمارے باپ دادا باؤلے ہی تھے اور بس عقلمند فقط آپ ہی آئے ہیں جو ہم کو معاملات میں ایمانداری کی تلقین کر رہے ہیں۔ خوب! کیا ہمارا مال پر اختیار ہی نہیں۔ ہم اس کے ساتھ جو چاہیں کر ہی نہیں سکتے اور ہر بات میں آپ کی نصیحت ہی سے ہمارا کام چل سکتا ہے۔ کیا کہنا! دنیا میں ایک آپ ہی سمجھدار اور نیک چلن شخص رہ گئے ہیں اور باقی تو سب لُچے اور اوباش ہیں۔ بس بس! اپنی نمازوں سے دھیان رکھو! ہمارے کاموں میں دخل اندازی نہ کرو۔"

## تکبّر کا جنوں

اندازہ فرمائیے! حضرت شعیب علیہ السلام کس کس طرح سمجھا رہے ہیں مگر دوسری طرف سرکشی کا خبط اور تکبّر کا جنوں ہے۔

## سرکشی کا نتیجہ

حضرات محترم! غور فرمائیے اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو کچھ نہ گردانا، آپ کو سخت سخت جواب دیئے، آپ پر پھبتیاں کسیں، ایذائیں پہنچائیں، ڈراوے دیئے دھمکیاں دیں لیکن آخر نتیجہ کیا ہُوا کڑک سے ہلاک ہوئے جو ان کی دھمکیوں کا جواب تھی، زلزلہ کا شکار ہوئے اور وہ زمین جسے جائے امن اور اپنی جاگیر

سمجھے بیٹھے تھے ان پر تنگ ہو گئی اور گھبرا کر بھاگے تو گرمی کے مارے برا حال ہو گیا۔ ایک ابر آ کر ان کے اوپر چھا گیا۔ وہ سمجھے اس میں ٹھنڈک ہو گی لیکن وہ جہنم کی گرمی اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا۔ سب بے ہوش ہو کر گر پڑے اور جائے امن ان کے لیے جائے ہلاکت اور دوزخ بن گئی۔ ان کی گستاخیاں، بے ہودگیاں اور زبان درازیاں کچھ قوم ثمود سے ملتی جلتی تھیں اس لیے عذاب بھی انہیں سے ملتا جلتا آیا اور وہ قوم ثمود کی طرح پھٹکار کا مورد ٹھہرے۔

## گرد و پیش پر نظر دوڑائیے

برادرانِ عزیز! آج ہم اپنے گرد و پیش پر نظر دوڑائیں تو قومِ شعیب کی اکثر برائیاں ہم میں کسی نہ کسی صورت میں ضرور جلوہ گر نظر آئیں گی۔ دینی شعائر اور اقدار کا مذاق تو ایک عام رواج ہو چکا ہے دینداروں پر پھبتیاں کسنا اور ان کا مضحکہ اڑانا، ان کے طور و اطوار، طرزِ زندگی کا تمسخر اڑانا ایک کھیل ہو گیا ہے۔ دھوکہ دہی اور فریب کاری کی ہزارہا صورتیں معمول بن چکی ہیں، ہمارا کوئی کام دھوکہ اور فریب سے خالی نہیں۔ کبر و ریاء سے کون بچا ہوا ہے، خدا و رسولؐ کے احکام کی کماحقہٗ تعمیل کہاں ہو رہی ہے اور کتنے لوگ ہیں جو کتاب و سنت کو زندگی کے تمام گوشوں میں حرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں —— یہ سب باتیں اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی اور غارت گرِ ملک و قوم ہیں۔ پس ہمیں ان بیماریوں اور گناہوں سے فوراً نجات حاصل کرنی چاہیے۔

یاد رکھو! کتاب اللہ ہمارا دستور العمل اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تفسیر، شرح اور عمل ہے —— آئیے! آج کی صحبت میں ہم مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں اپنے اعمال و افعال —— اور کردار کا جائزہ لیں اور ان تمام برائیوں کو جن کی نشاندہی کی گئی ہے اپنی عملی زندگی سے باہر نکال پھینکیں اور اللہ کی رحمتوں، بخششوں اور ابدی و لامتناہی نعمتوں کے مستحق ٹھہریں، ورنہ تباہی اور بربادی ہمارا مقدر ہو گی اور ہمارا نام بھی ظالموں اور سرکشوں کے زمرہ میں لکھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب و سنّت پر عمل کی توفیق دے اور قرآنی تعلیمات کے نور سے ہمارے دلوں کو منور فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین!

**بقیہ: اداریہ**

یہی شب و روز رہے تو خطرہ ہے کہ کل اس ملک میں اسلام کا نام لیوا نہ رہے۔

اللہ ایسا وقت نہ لائے اور ہمیں اس روزِ بد سے بچائے ہماری استدعا ہے کہ بلدیاتی انتخاب جیسے مسائل پر کانفرنسیں منعقد کرنے کے بجائے اسلامی نظامِ حیات کے نفاذ کے لیے مل جل کر سنجیدہ کوشش کی جائے اور ملک و قوم جن خطرات میں گھرے ہوئے ہیں ان سے انہیں محفوظ کرنے کی فکر کی جائے —— ع

شاید کہ اتر جائے کسی دل میں مری بات

علی

۱۷ رجب ۹۹ھ

## دعاءِ صحت

خدام الدین کے پرانے کرمفرما جناب صوفی نذیر قادری صاحب الہ آباد (وزیرآباد) کا آپریشن ہوا۔ احباب سے صحتِ کلی کی درخواست ہے۔

(ادارہ)

# حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریۂ انقلاب

## اور

# معرکۂ بالاکوٹ

سید محمد متین ہاشمی

صدر گرامی علمائے کرام حاضرین محترم!

اللہ تبارک وتعالیٰ کی زمانہ قدیم سے یہ سُنت رہی ہے کہ جب کوئی علمی، فکری اور تہذیبی دور اختتام کو پہنچنے لگتا ہے تو وہ اس دور کے اختتام پر ایک ایسی شخصیت پیدا فرماتا ہے جو اس تہذیبی دور کے حاصل کردہ جملہ کمالات کا حامل اور امین ہوتا ہے۔ ایسا شخص اپنے پورے تہذیبی دور کی خصوصیات کو سمیٹ کر انہیں جدید تعبیرات اور ترقی پسندانہ رجحانات کے ساتھ آنے والی نسل کو منتقل کرنے کا فریضہ انجام دیتا ہے اس کی حیثیت ایک بیج کی سی ہوتی ہے جس سے کونپلیں پھوٹتی، شاخیں ابھرتی اور پتیاں نکلتی ہیں اور صدیوں کے بعد اس کے برگ وبار کا ظہور ہوا کرتا ہے۔

اسی طرح کی ایک شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ آپ کی ولادت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے ٹھیک چار سال قبل ۴ر شوال بروز چہار شنبہ ۱۱۱۴ھ بمطابق ۲۱ر فروری ۱۷۰۳ء کو دہلی کے ایک صاحب نسبت اور فخر روزگار خانوادے حضرت شاہ عبدالرحیم کے گھر ہوئی۔ شاہ صاحب کی ولادت کے بعد اورنگ زیب کی وفات ہو گئی۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ اورنگ زیب کی وفات معمولی سانحہ نہیں تھا۔ اگر کہا جائے کہ اورنگ زیب کی وفات مسلمانوں کے اقتدار کے زوال کا نقطۂ آغاز تھا تو غلط نہ ہوگا اس لئے کہ اس کے جانشین ہوش و خرد سے عاری، عیش وتنعم کے رسیا، انتظامی صلاحیتوں سے خالی، دوست اور دشمن کے درمیان تمیز کرنے کی قوتوں سے محروم، سازشی اور فتنہ پرور تھے۔ لہٰذا نتیجہ وہی ہوا جو ایسے اوقات میں ہوا کرتا ہے کہ فتنوں کے دروازے کُھل گئے۔ اور ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی حصولِ اقتدار کے لئے کشمکش شروع ہو گئی جس سے مسلم حکومت کے دشمنوں کو موقع ملا اور سکھوں، جاٹوں اور مرہٹوں نے تاخت وتاراج شروع کردی۔ اسی دوران نادر شاہ شامتِ اعمال بن کر دلی پر نازل ہوا اور پھر دلی وہ دلی جسے کبھی سارے عالم کا "انتخاب" سمجھا جاتا تھا جہاں کوچوں اور گلیوں میں علم ومعرفت کے چشمے جاری رہا کرتے اور شہر کے ہر گوشے میں علم ومعارف کا ایک امام مسند نشین تھا خون میں نہا گئی۔ اور پھر چشم فلک نے وہ دلدوز اور روح فرسا مناظر دیکھے کہ جبینِ انسانیت شرم سے جھک گئی۔ ان میں سے اکثر مناظر شاہ ولی اللہ رح نے اپنی آنکھوں سے دیکھے حضرت شاہ صاحب نے تخت کو تختے میں تبدیل ہوتے اور تاج کو پاؤں تلے پامال ہوتے دیکھا۔ شاہ صاحب کے لئے یہ بڑا کٹھن وقت تھا کیونکہ ان کی چشم بصیرت مستقبل کے ہندوستان کا نقشہ دیکھ رہی تھی۔ وہ وقت کے قدموں کی آہٹ سُن رہے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ مغلوں کا اقتدار چراغِ سحری ہے جسے وقت کا ایک ہلکا سا جھونکا بھی ہمیشہ کے لئے خاموش کر دے گا۔

ایسے وقت میں نائبینِ رسولؐ کے لئے دو ہی راستے رہتے ہیں یا تو جہاد بالسیف کے لئے میدان کارزار میں اتر پڑیں، یا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت باطنی کا فریضہ انجام دیں۔ شاہ صاحب نے فیوض الحرمین میں نہایت جامعیت کے ساتھ اپنے نظریات کا اظہار فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

میں امت مرحومہ کے لئے نیک نمونہ ہے مثلاً خلافت ظاہری والوں کے لئے جو شرعی حدود اور جہاد کے ساز و سامان کی تیاری اور سرحدی علاقوں کی ناکہ بندی و حفاظت وفود کی تکریم صدقات کا حصول، محصول اور چونگی وغیرہ کی وصولی ارباب استحقاق پر ان کی تقسیم مقدمات کے فیصلوں، یتیموں کی نگرانی مسلمانوں کے اوقاف کا انتظام، راستوں، سڑکوں اور مساجد وغیرہ کی تعمیر اور اسی قسم کے کاموں کے لئے مقرر ہیں۔ مسلمانوں میں جو ان خدمات و مشاغل میں مصروف ہیں ان کو میں خلافت ظاہری والوں کے نام سے موسوم کرتا ہوں۔"

"جو لوگ باطنی خلافت والے ہیں، یعنی اس کام پر مقرر ہیں کہ شرائع اور قوانین اسلامی اور قرآن و سنن کے آثار کی تعلیم دیں در امر بالمعروف و نہی عن المنکر کریں، وہ لوگ جن کے کلام سے دین کی تائید ہوتی ہے خواہ وہ مباحثہ اور مناظرہ کی راہ سے جیسا کہ متکلمین اسلام کا حال ہے یا وعظ و پند کے طریقے سے جیسا کہ اسلام کے مقررین و خطبا خدمت انجام دیتے ہیں یا وہ لوگ جو اپنی توجہ و ہمت سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرتے ہیں جیسا کہ مشائخ صوفیہ کا حال ہے۔ اسی طرح جو نمازیں قائم کراتے ہیں، حج کراتے ہیں اور جو احسان کے حصول کی راہ لوگوں کو بتاتے ہیں اور زہد و تقویٰ کی طرف لوگوں کو راغب کرتے ہیں ان لوگوں کو ہم خلفاء باطنی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔"

شاہ ولی اللہؒ نے اپنے لئے خلافت باطنی کے مقام کو پسند فرمایا لیکن وہ خلافت ظاہری سے بھی غافل نہ رہے اور اس کے لئے جن لوگوں کو مناسب خیال فرمایا اپنے مکاتیب کے ذریعہ انہیں جہاد بالسیف پر ابھارا۔ مجاہدین کی ہمت افزائی فرمائی۔ اپنے ایک مکتوب میں جو پائندہ خاں روہیلہ کے نام تحریر فرمایا، لکھتے ہیں:

از فقیر ولی اللہ عفی عنہ سلام محبت التیام مطالعہ فرمایند آنچہ شنیدہ می شود از سعی ایشاں در جہاد کوہستان موجب فرح و خوشی و سبب دعا بہ مظہر الغیب می شود۔ اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکاتیب میں ان تمام خطوط کو نقل کیا ہے جو شاہ صاحب نے امراء اور مجاہدین کی طرف بھیجے۔ آخر کار جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو آپ نے حضرت احمد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ کو بلا کر مرہٹوں کی کمر تڑوا دی۔ اسی لئے بجا طور پر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے:

"پانی پت کا میدان حقیقت میں شاہ ولی اللہ صاحب کا سجایا ہوا تھا"

مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے مقالے "تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ" میں حضرت شاہ صاحب کو ایک ایسی قدسی روح کے لقب سے یاد کیا ہے جو اس بجھتے ہوئے چراغ کو آخری دفعہ سنبھالا دینے کے لئے مسلسل چیخ چلا رہی تھی اور اس کا ثبوت حضرت شاہ صاحب کے وہ خطابات ہیں جنہیں جامع بالتفصیل کتاب التفہیمات الالٰہیہ میں درج کر دیا ہے۔

آپ نے اُمراء، سلاطین، ارکانِ دولت، سپاہ، اہلِ حرفہ، مشائخ، علماء، واعظین اور عامۃ المسلمین کسی کو بھی نہ چھوڑا۔ چیخ چیخ کر جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر خواب غفلت سے بیدار کیا خطرات کی نشاندہی فرمائی۔ انہیں دین کی اعانت کے لئے کمربستہ ہونے کیلئے کہا۔ یقین کیجئے کہ اگر حالات سازگار ہوتے تو شاہ صاحب شمشیر بکف میدان میں اتر جاتے لیکن شاہ صاحب دیکھ رہے تھے کہ کوئی سنبھالا آٹھ سو سالہ مسلم اقتدار کو مٹنے سے بچا نہ سکے گا۔ اس لئے شاہ صاحب نے آنے والے طوفان کے لئے بند باندھنے شروع کر دیئے۔

انہوں نے پہلا کام تو یہ کیا کہ ملت کے سارے دینی سرمائے کو جدید تعبیرات کا لباس پہنا کر اسے اس خیال سے محفوظ کر دیا کہ ہندوستان میں بسنے والے مسلمان بالخصوص اور سارے عالم اسلام کے مسلمان بالعموم جدید دور میں یہ نہ محسوس کریں کہ وہ فکری اور نظریاتی اعتبار سے فقیر ہیں۔ اور انہیں دوسری اقوام کی دریوزہ گری کرنی ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب نے قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ بھی اسی لئے کیا کہ یہ کتاب ہدایت مسلم عوام کی دسترس میں آجائے اور وہ اس کتاب کا مطالعہ کر کے اپنے لئے لائحہ عمل متعین کر سکیں۔

اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ مطالعہ قرآن کا انداز سکھانے کے لئے آپ نے "الفوز الکبیر" لکھی۔ قرآن کریم کے مطالعے میں اس کتاب کو سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ نے مدرسہ رحیمیہ میں درسِ حدیث کا ایسا انوکھا اور معیاری نظام قائم کیا کہ ہندوستان کے اکثر مدارس اس کے تتبع پر مجبور ہوگئے اور اس کے ذریعہ آج تک برصغیر پاک و ہند کے گوشے گوشے میں علمِ حدیث کا چرچا ہے۔ اس کارگزاری کا اعتراف مفتاح کنوز السنۃ کے مقدمے میں علامہ رشید رضا مصری نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث في هذا العصر لقضي عليها بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت في مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتى بلغت منتهى الضعف في اوائل هذا القرن الرابع عشر.

ترجمہ:۔ اگر ہمارے بھائی علمائے ہند اس زمانے میں علوم حدیث کی طرف توجہ نہ فرماتے ہوتے تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا کیونکہ مصر، شام، عراق اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا اور چودھویں صدی کے اوائل تک تو یہ ضعف اپنی آخری منزل پر پہنچ گیا تھا۔

اسی لئے علامہ عبدالحئی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر میں حضرت شاہ صاحب کے بارے میں مفتی عنایت احمد کاکوروی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ،

"شاہ ولی اللہ طوبیٰ کے ایک درخت تھے جس کی جڑیں ان کے گھر میں اور شاخیں امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت کے ہر فرد کے گھر میں تھیں۔"

اسی طرح حضرت شاہ صاحب نے فقہ میں مجتہدانہ نظریات پیش کئے۔ مختلف فقہی مسالک کے درمیان جو ایک قسم کا غلط تناؤ پیدا ہو گیا تھا اسے دور فرمایا لیکن دائرہ تقلید سے قدم باہر نہ نکالا۔ آپ نے تصوف کے میدان میں بھی تجدیدی اقدامات فرمائے۔ وجودیت و شہودیت کے درمیان تطبیق کی اور ایک نئے نظریے کو جنم دیا۔ غرضیکہ علوم و فنون کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس کو حضرت شاہ صاحب نے متاثر نہ کیا ہو۔ اس لئے آپ کو خلعت مجددیت پہنایا گیا اور آپ نے ارشاد فرمایا،

رأيتني وانا بمكة في المنام قائم الزمان اعني بذلك ان الله اذا اراد شيئا من نظام الخير جعلني كالجارحة لاتمام مراده.

ترجمہ:۔ یعنی میں جس وقت مکہ مکرمہ میں تھا میں نے ایک خواب میں خود کو قائم الزمان دیکھا۔ قائم الزمان سے میری مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی نظامِ خیر کے قیام کا ارادہ فرمائے گا تو اس کیلئے مجھے آلۂ جارحہ بنائے گا تاکہ اس کی مراد پوری ہو۔

یعنی کم از کم برصغیر میں جب کبھی خیر کا نظام قائم ہوا یا ہوگا تو وہ شاہ صاحب ہی کے نظریات کی بنیاد پر ہوگا۔

غالباً اسی بات کو پیشِ نظر رکھ کر حضرت شاہ صاحب نے علوم اسلامیہ کے تحفظ کے علاوہ دوسرا کام یہ کیا کہ "مدرسہ رحیمیہ" کو اپنا مرکز قرار دے کر وہاں ایسے افراد تیار کرنا شروع کئے جو شاہ صاحب کے بعد بھی اس انقلاب کو برپا کر سکیں جس کی آرزو شاہ صاحب کے دل میں تھی اور جو انہیں ان کے تاریخی خواب میں دکھایا گیا تھا۔

فیوض الحرمین میں حضرت شاہ صاحب نے اپنا پورا خواب بیان فرمایا ہے جس سے اہلِ علم واقف ہیں اور اس کے تفصیلی اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم ذیل میں اس کی تلخیص درج کی جا رہی ہے تاکہ اصل مفہوم سمجھ میں آسکے۔

"میں نے دیکھا کہ کفار کا راجہ مسلمانوں کے بلاد پر مسلط ہو گیا ہے اور ان کے اموال کو اس نے لوٹ لیا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا اور اجمیر شہر میں اس نے کفر کے شعائر کا اعلان کر دیا۔ شعائر اسلام کو مٹا دیا پھر اس کے بعد میں نے دیکھا کہ زمین کے باشندوں پر حق تعالیٰ غضب ناک ہوا پھر ملاءِ اعلیٰ سے وہ غضب

ٹپک ٹپک کر میرے اندر اترا۔"

آگے چل کر شاہ صاحب فرماتے ہیں،

وسالونی ما ذا حکم اللہ فی ھذہ الساعۃ قلت فک کل نظام۔

ترجمہ:۔ ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے میں نے کہا، "ہر نظام اور آئین کو توڑ دینا۔"

شاہ صاحب فرماتے ہیں،

"انہوں نے دریافت کیا یہ حال کب تک رہے گا؟"

میں نے کہا، "اس وقت تک جب تک تم میرے غصے کو ٹھنڈا ہوتا نہ پاؤ۔ پھر میں ایک شہر کی طرف بڑھا اور اسے برباد کرتے ہوئے اور اس کے باشندوں کو قتل کرتے ہوئے آگے بڑھا۔ لوگ میرا ساتھ دے رہے تھے۔ یوں ہی ایک شہر کے بعد دوسرے شہر کو تباہ و برباد کرتے ہوئے ہم بالآخر اجمیر پہنچ گئے اور وہاں ہم نے کفار کو قتل کیا پھر میں نے کفار کے بادشاہ کو دیکھا کہ وہ اسلام کے بادشاہ کے ساتھ مسلمانوں کے ایک گروہ میں ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ اتنے میں اسلام کے بادشاہ نے کفار کے بادشاہ کے متعلق حکم دیا کہ اسے ذبح کر دیا جائے۔ لوگوں نے اسے پکڑ کر پٹخ دیا اور چھری سے اسے ذبح کر دیا میں نے دیکھا کہ اس کی شہ رگ سے خون اچھل اچھل کر نکل رہا ہے۔ تب میں نے کہا کہ اب رحمت نازل ہو گئی۔"

حضرت شاہ صاحب نے یہ خواب شب جمعہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۱۴۴ھ کو دیکھا۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی اور مولانا سندھی رحمہما اللہ دونوں حضرات نے لکھا ہے کہ ٹھیک اس خواب کے ۲۹ سال بعد ۱۱۷۳ھ میں اپنی وفات سے تین سال پہلے حضرت شاہ صاحب نے اپنے خواب کی تعبیر دیکھ لی۔ یعنی احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کے راجہ کو پانی پت کے میدان میں شکست دی اور اسے قتل کیا۔

لیکن راقم الحروف بصد ادب و تکریم ہر دو حضرات اکابر کی رائے سے اختلاف کرتا ہے اور اس اختلاف کی مندرجہ ذیل بنیادیں ہیں۔

۱۔ حضرت شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جب لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے؟ تو میں نے کہا کہ، "ہر نظام اور آئین کو توڑ دینا۔"

سوال پیدا ہوتا ہے کہ احمد شاہ ابدالی کی فتح کے بعد قدیم جاگیردارانہ نظام کہاں ٹوٹا؟ ابدالی کے واپس چلے جانے کے بعد تو وہی فرسودہ نظام دوبارہ اپنی تمام تر لغویتوں کے ساتھ لوٹ آیا۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ، فک کل نظام تو شاہ صاحب کے تصورِ انقلاب کا سلبی پہلو ہے۔ آپ کا مجوزہ انقلاب تو محض فک کل نظام سے پورا نہیں ہوتا بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھنا ہو گا اور وہ ہے ویکون الدین کلہ للہ (یعنی اللہ تعالیٰ کا دین ہر جگہ جاری ہو جائے) اور یہ ابھی تک تو پورا ہی نہیں ہوا ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے خواب میں اجمیر کے بارے میں دیکھا کہ حتی وصلنا الاجمیر وقتلنا ھنالک الکفار واستخلصناھا منھم۔ یعنی یہاں تک کہ ہم اجمیر پہنچے، اور وہاں ہم نے کفار کو قتل کیا اور ان کے ہاتھ سے اجمیر کا استخلاص کرایا۔

مولانا گیلانی نے اجمیر سے دہلی مراد لیا ہے لیکن یہ حقیقی معنی سے بغیر کسی جائز وجہ کے معنی مجازی کی طرف عدول ہے جو درست نہیں۔

۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ شاہ صاحب خواب میں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ،

"اس وقت میں نے اپنے آپ کو ایک بڑے مجمع میں پایا جس میں روم والے اور ترک اور عرب وغیرہ بھی تھے۔"

معلوم ہوا کہ یہ انقلاب ایسا ہو گا جس میں صرف برصغیر کے مسلمان شامل نہ

ہوں گے بلکہ سارا عالم اسلام شریک ہوگا ظاہر ہے کہ احمد شاہ ابدالی کے معرکہ میں رومی، ترک اور عرب تو شامل نہیں تھے۔

لہٰذا راقم الحروف کا خیال ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے خواب کو ابھی شرمندۂ تعبیر ہونا باقی ہے۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب دنیا کے تمام نظام بشمول نظام سرمایہ داری، جاگیرداری واشتراکیت باطل ہو جائیں گے اور خدا کی زمین بے آئین ہو جائے گی اس وقت پورا عالم اسلام متحد ہوگا اور پہلے برصغیر پاک وہند میں سخت خونریزی کے بعد اسلامی نظام برپا ہوگا، پھر سارے عالم اسلام میں پھیل جائے گا۔ اور ساری دنیا اس نظام کو قبول کرنے پر مجبور ہوگی۔ اس وقت ویکون الدین کلہ للہ بھی ہوگا۔ اجمیر کا استخلاص بھی ہوگا۔ اور اسلامی لشکر کو غلبہ بھی حاصل ہوگا۔ (انشاء اللہ العزیز)

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اپنے انقلابی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کیلئے حضرت شاہ صاحب نے "مدرسہ رحیمیہ" کو مرکز بنایا اور شاہ صاحب نے اس مقصد کے لئے اپنے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی خصوصی تربیت بھی فرمائی تھی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی وفات کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز نے حضرت شاہ صاحب کے افکار و نظریات کی اشاعت کو اپنا مقصدِ حیات بنایا اور اس انداز میں افراد کی تربیت فرمائی کہ شاہ ولی اللہ کا انقلابی پروگرام پورا ہو سکے۔ شاہ عبدالعزیز نے اس دعوتِ انقلاب کو عام فہم بنایا اور اس کے لئے داعیوں کی ایک مضبوط جماعت تیار کی۔ شاہ محمد اسحاق، سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحیؒ رحمہم اللہ اس جماعت کے اہم ارکان تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے کم و بیش ساٹھ سال تک دعوت و ارشاد کا فریضہ انجام دیا۔ اس دوران میں آپ نے مذکورہ بالا حضرات کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرمائی۔ آپ نے جہاد کی خصوصی تربیت حاصل کرنے کے لئے سید احمد بریلویؒ کو ۱۲۲۵ھ میں امیر خاں والیٔ ٹونک کے لشکر میں بھیجا اور چھ سال تک سید صاحب نواب صاحب کے لشکر میں مقیم رہ کر واپس تشریف لائے۔ شاہ عبدالعزیز نے شاہ ولی اللہ کے پروگرام کے مطابق عسکری امور کے لئے سید احمد بریلوی کو امیر اور مولانا عبدالحی و مولانا اسماعیل شہید کو مشیر مقرر کیا اور اپنی جماعت کو حکم دیا کہ جس معاملے میں یہ تینوں حضرات متفق الخیال ہو جائیں اسے میرا حکم سمجھنا چاہیئے۔ ۱۲۳۱ھ میں شاہ صاحب نے سید احمد بریلوی، مولانا عبدالحی اور مولانا اسماعیل شہید کو اطرافِ ملک میں بیعتِ طریقت لینے کے لئے بھیجا۔ یہ دراصل بیعت جہاد کا ابتدائی مرحلہ تھا۔ اس لئے کہ ۱۲۳۶ھ میں یہی جماعت بیعتِ جہاد لینے کے لئے نکلی اور اس کے بعد شاہ عبدالعزیز نے ان حضرات کو حج پر جانے کا حکم دیا۔ ۱۲۳۹ھ میں جب یہ قافلہ حج سے واپس آیا تو شاہ عبدالعزیز کی وفات ہو چکی تھی لیکن ان کی مسند خالی نہیں تھی۔ اب اس پر شاہ محمد اسحق جلوہ فرما تھے۔ حج سے واپسی کے بعد ان حضرات نے شاہ محمد اسحق کی سیادت کو تسلیم کیا۔ مرکز دہلی قرار پایا اور جہاد کی تیاری کا آغاز ہو گیا۔ جلد ہی تقریباً دو ہزار مجاہدین اکٹھا ہو گئے۔ مجاہدین کی جماعت میں اضافہ ہوتا رہا۔ دعوتِ جہاد دینے والے دعوت دیتے رہے۔ لوگ ہجرت کر کر کے لشکرِ اسلام میں شامل ہوتے گئے۔

اس زمانے میں پنجاب اور سرحد کے بعض علاقے سکھوں کی چیرہ دستیوں کا شکار تھے مسجدوں کے مینار خاموش تھے مسلمانوں کی مساجد میں گھوڑے باندھے جا رہے تھے مسلمانوں کی عورتیں زبردستی سکھوں کے حرم میں داخل کر لی جاتی تھیں۔ شعائرِ اسلام مٹائے جا رہے تھے۔ ان حالات کو بھلا وہ لوگ کیسے برداشت کر سکتے تھے، جن کے انگ انگ میں عشقِ الٰہی بسا ہوا تھا۔ تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں جنہیں دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ مجاہدین کا لشکر منزل بہ منزل ملتا راستے کے خس و خاشاک کو لعل و گہر کی آبرو بخش کر انہیں اپنے ہمراہ لیتا ہوا قندھار سے گزر کر پشاور پہنچا اور پھر پوری قوت کے ساتھ اہلِ کفر سے ٹکرا گیا۔ ایک بدبخت مسلمان نے سکھ جرنیل شیر سنگھ کی رہنمائی کی اور ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ بمطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ میں امیر تحریک سید احمد بریلوی اور شاہ ولی اللہ کے جلیل القدر پوتے شاہ اسماعیل شہید نے جمعہ کے دن

نماز جمعہ کے وقت جام شہادت نوش کر کے شاہ ولی اللہ کے انقلابی پروگرام کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ۵ مئی ۱۷۳۱ء کو شاہ ولی اللہ نے حکومت الہیہ کے قیام کیلئے اپنے پروگرام کا آغاز کیا تھا اور ٹھیک اس کے ایک سو برس بعد ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو شاہ صاحب کے پوتے نے شجر تحریک کی اپنے مقدس خون سے آبیاری کی۔

بعض مورخین نے معرکہ بالاکوٹ کی شکست کو تحریک جہاد کی ناکامی سے تعبیر کیا ہے میرے خیال میں ان کی یہ رائے غلط فہمی اور تحریک کی حقیقت سے لاعلمی پر مبنی ہے۔ جب دنیا میں کوئی عظیم تحریک چلتی ہے تو وہ اپنے ارتقائی منازل سے گزرا کرتی ہے کبھی آگے بڑھتی ہے کبھی پیچھے ہٹتی ہے۔ آگے بڑھنے کے لئے پیچھے ہٹنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس پیچھے ہٹنے کو شکست نہیں کہتے۔ یہ تو ایک تدریجی عمل ہے جس سے ہر تحریک کو گزرنا پڑتا ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ۱۸۳۱ء کے بعد ۱۸۵۷ء میں وہی تحریک جہاد تھی جو دوسرے روپ میں ظاہر ہوئی تھی اور اس میں بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ خانوادہ ولی اللہی کے متوسلین قیادت کر رہے تھے۔ پھر یہی تحریک تحریک دیوبند میں تبدیل ہوئی پھر اسی نے تحریک آزادی کے لباس میں اظہار کیا اور حکومت الہیہ کے قیام ہی کی تحریک تھی جو تحریک پاکستان میں اور پھر تحریک نظام اسلام میں مبدل ہوتے ہوتے آج اس مقام پر پہنچی ہے کہ مملکت پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کا آغاز ہو چکا ہے۔ الحمد اللہ کہ تحریک آزادی تحریک پاکستان اور تحریک نظام اسلام سب میں خانوادہ ولی اللہی کے متوسلین موثر خدمات انجام دیتے رہے ہیں اور آخر میں اتنا اور سن لیجئے کہ انشاء اللہ العزیز اس ملک میں نظام اسلام کا مکمل قیام بھی انہی حضرات کے ہاتھوں عمل میں آئے گا جو خانوادہ ولی اللہی کے پروردہ اور حکمت ولی اللہی کے امین و مبلغ ہیں اور انقلاب کا یہ تسلسل اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا خواب ہر اعتبار سے شرمندۂ تعبیر نہ ہو جائے۔

## اولیاء اللہ کی شان

فرمایا، اولیاء اللہ نے جسمانی زندگی سے منہ پھیر کر روحانی زندگی کی طرف قدم بڑھایا اس لئے یہی لوگ زمین کا امن اور غنیمت روزگار ہیں۔ انہیں کے طفیل لوگوں پر بارش ہوتی ہے، انہیں کے طفیل مخلوق کو رزق ملتا ہے۔

بہم یرزقون و بہم یمطرون۔

ان کی نظر شفا ہے۔ یہی لوگ اللہ کے ہم نشین ہیں اور ان کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا جس کی صحبت سے حق تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا ہو جائے وہ شخص سچا ہے اور درجات کے فرق کے مطابق اولیاء اللہ میں شمار ہے اسی لئے فقراء اہل اللہ کی خاکروبی دولتمندوں کی صدر نشینی سے بہتر ہے یہ بات آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو کل آ جائے گی لیکن اس کا فائدہ نہ ہوگا۔ (مجدد الف ثانی رح)

## پروگرام مجلس ذکر

مولانا صوفی محمد یونس صاحب راولپنڈی والے حسب ذیل مقامات پر بعد نماز مغرب مجلس ذکر کرائیں گے۔

۱۵ر جون بروز جمعۃ المبارک جامع مسجد شرقیہ صدیق چوک مری۔

۱۷ر جون بروز اتوار مسجد نور ریلوے روڈ سول لائنز سرگودھا۔

۱۸ر جون بروز پیر مرکزی جامع مسجد ٹوبہ ٹیک سنگھ

۱۹ر جون بروز منگل جامع مسجد ریلوے روڈ شیخوپورہ

۲۰ر جون بروز بدھ مسجد پھولوں والی محلہ کرشن پورہ راولپنڈی

۲۱ر جون بروز جمعرات بر مکان میاں سرور اکرام صاحب ڈھیری حسن آباد راولپنڈی۔

## اپیل

لاہور کے ایک غریب علاقہ میں اہل حق مسجد نہ ہونے کے سبب بہت پریشان ہیں۔ زمین کی خریداری اور تعمیر کے لیے اہل خیر کی فوری توجہ درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائیں۔

رابطہ کے لیے
معرفت مدیر خدام الدین لاہور

نواسئہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (آخری قسط)

# حضرت سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیرت و کردار کی ایک جھلک

حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب مجددی

## ایک ضروری تنبیہ

تاریخ اسلام میں سبائیوں کی دست کاریوں کی تفصیل بڑی طویل ہے۔ خصوصاً بنو ہاشم کے بزرگوں کی کردار کشی میں تو الف لیلہ سے بھی بڑے بڑے افسانے اور ناول گھڑتے رہتے ہیں۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے جہاں صحیح واقعہ کے ساتھ غلط بیانی کا پیوند لگائیں اور سیدنا حسن کے وصال اور دفن کے متعلق بھی ان کی یہی دست کاری بروئے کار آئی۔ اور ایک وضعی روایت کو بڑی شہرت دی گئی کہ عبشمیوں نے سیدنا حسن کو حضور علیہ السلام کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت نہ دی اور تلواریں سونت کر آمادہ بقتال ہو گئے۔ مگر یہ سبائی بکواس دو وجہ سے غلط ہے۔

اول، کنز العمال ج ۷ ص ۳۲ پر ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ ام المومنینؓ نے خود حضور علیہ السلام کی زندگی میں حضور علیہ السلام کے ساتھ اپنے دفن ہونے کی اجازت مانگی مگر حضور علیہ السلام نے زندگی میں ہی یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ

ترجمہ: میرے پاس اور کسی کے دفن ہونے کی گنجائش ہی کہاں۔ یہاں تو صرف میرے مزار اور ابوبکر و عمر اور عیسیٰ بن مریم کی قبروں کی جگہ کے سوا اور کسی کی جگہ ہی نہیں۔ تو اب روضہ اطہر میں تین قبریں موجود ہیں چوتھی کی جگہ موجود ہے۔ وہاں عیسیٰ علیہ السلام آخیر زمانہ میں دفن ہوں گے۔

دوم، حضور علیہ السلام کے وصال پُر ملال کے چند ماہ بعد ہی ۱۱ھ میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات حسرت آیات کا واقعہ ہائلہ پیش آیا۔ اس وقت سادات بنوامیہ کے اقتدار و اختیار کی کوئی بھنک تک نہ تھی۔ سیدہ فاطمہؓ کا جنازہ حضرت صدیق اکبر نے بحکم و اصرار حضرت علی چار تکبیر سے پڑھایا اور جنت البقیع میں حضرت سیدہ کو دفن کیا۔ اگر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو حجرہ مطہرہ میں دفن کرنا ہوتا تو اس کیلئے چارپائی پر ڈولی بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ حجرہ مطہرہ تو اس وقت گھر کے اندر تھا مگر وہاں دفن نہ کیا۔

پھر سیدہ فاطمہ کی وفات کے اکیس برس بعد ۳۲ھ میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور حضرت عباس کی یہ عظیم شان ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

یہ میرے آباء (بابوں)

میں سے آخری باپ رہ گئے ہیں اور ان کے متعلق ہی فرمایا کہ میرے یہ چچا میرے باپ کے برابر ہیں اور حضور کے ہاں سب سے زیادہ قدر و منزلت حضرت عباس کی تھی۔

پھر تمام صحابہ کرام بھی آپ کی فضیلت کے معترف تھے اور آپ کے مشوروں پر عمل کرتے تھے۔

اور حضرت عمرؓ ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کرتے تھے اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ان کو آتا دیکھ کر اپنی سواریوں سے اُتر پڑتے تھے۔ لیکن ان عظیم عالی مرتبت حضرت سیدنا عباس ہاشمی کی جب ۳۲ھ میں وفات ہوئی تو تمام صحابہ نے ان کی قبر مبارک بقیع میں بنائی اور حضرت عثمانؓ کی اقتداء میں ان کا جنازہ پڑھ کر ان کو بقیع میں دفن کیا۔ حضور علیہ السلام کے ساتھ روضہ اطہر کے اندر دفن نہ کیا نہ اس کا مطالبہ ہوا اور نہ ہی اس پر کوئی تنازعہ کھڑا کیا گیا۔ تو ان حقائق سے ثابت ہو گیا کہ حضرت حسنؓ کے دفن روضہ کے متعلق اموی علوی تنازعہ کو صرف "یار لوگوں" نے ہی ایجاد فرمایا ہے۔

## سبئیوں پر افسوس

حضرات صحابہ کرام کے متعلق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا تھا رحماء بینھم کہ صحابہ کرام آپس میں ایک دوسرے کیلئے بیحد مہربان تھے مگر سبائیوں نے پورا زور یہ لگایا کہ وہ آپس میں اعداء بینھم تھے۔ اور اس ملعون مفروضے کے متعفن نمونے قدم قدم پر کتابوں میں ملتے ہیں اور جو بدبخت سبائی یہ جھوٹی اور من گھڑت اور مخالف قرآن

روایت گھڑ سکتے ہیں کہ ہجرت کی رات کو
حضور علیہ السلام سیدنا ابوبکر کو اس لئے
ہمراہ لے گئے تھے کہ آنحضرت علیہ السلام کو
خطرہ تھا کہ میرے نکل جانے کے بعد ابوبکر
میری مخبری قریش کے پاس کر دے گا اور
پھر جس غار ثور میں پہنچے اور اوپر قریش آ
گئے تو سیدنا صدیق نے زور زور سے رونا
شروع کر دیا تاکہ قریش کو پتہ چل جائے
کہ حضور علیہ السلام اندر چھپے ہوئے ہیں
اور سیدنا صدیق کی اس خیانت پر قرآن
پاک میں آیت نازل ہوئی لا تحزن سے
مت رو۔ رسول اللہ ؐ منع کرتے تھے کہ اونچا
مت رو مگر ابوبکر باز ہی نہ آتے تھے۔ وہ
تو اللہ تعالیٰ نے قریش کے کانوں کو بہرہ کر
دیا ورنہ ابوبکر نے تو حضور علیہ السلام کو پکڑوانے
مروانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تھی اور
یہ کہ ابوبکر نے اونٹنی چار سو میں خرید کر دوگنے
داموں حضور علیہ السلام پر بیچی تھی اور قرآن
کی سورہ الم نشرح کی پانچویں آیت تھی۔
وجعلنا علیہا مہلک یہ آیت عثمان
نے قرآن سے نکال دی اور جو آیات اہلِ
بیت کی تعریف میں تھیں وہ بھی نکال دیں۔
اور قرآن چالیس پارے تھا عثمان نے دس پارے
حذف کر دیئے وغیرہ وغیرہ۔

تو ایسے بدبخت مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے
لئے صحابہ کرام کے متعلق جو "روایات" بھی
گھڑیں اور گھڑتے تھے اور گھڑتے ہیں، تو
ان سے تو کوئی شکوہ ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ عجمیوں
اور ہاشمیوں کے درمیان "عداوتیں" ثابت کرنے
اور تفریق بین المسلمین کے لئے جو روایت بھی
گھڑیں ان کا حق ہے کہ تلبیس الحق بالباطل
ان کا پیدائشی حق ہے ان سے تو کوئی شکوہ ہی نہیں
اور وہ (دفن سیدنا حسنؓ) کے متعلق اس
طرح کی واہی تباہی روایات کیوں نہ گھڑیں ان
کا تو "مشن" ہی مسخِ تاریخ اور مسلمانوں
میں تفریق ہے۔

## مولانا بگوی کا فرمان

اس مقام پر حضرت مولانا ظہور احمد بگوی
رحمۃ اللہ علیہ یاد آگئے وہ فرماتے تھے کہ پہلے زمانے
میں "سنی" کا مفہوم یہ ہوتا تھا کہ جو سنت رسول ؐ
کا پیرو ہو اور اب سنی کا معنی یہ ہے کہ جو مذہبی
طور پہ "سن من" اور بے حس ہو جائے، وہ
سُنی ہوتا ہے۔ محرم میں جاہل اور "سن من"
سنی واعظوں کے وعظ سنیں تو یوں لگتا ہے کہ
کوئی سبائی کسی امام باڑے میں مجلس پڑھ رہا
ہے۔ اس خوف سے کہ کوئی سبائی یہ طعنہ نہ دے
دے کہ یہ "محبِ اہلبیت" نہیں سبائیوں سے
بھی چار قدم آگے نکل کر وہ واہی تباہی
بکتے اور سبائیوں کے اُگلے ہوئے متعفن
لقموں کو مزید نمک مرچ لگا کر چٹخارے
لے لے کر یوں بیان کرتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی
تو ایسے لوگ سیدنا حسنؓ کی وفات اور دفن
کے متعلق بھی وہی خرافات بکتے چلے جاتے
ہیں۔

## اتباعِ سُنت کے ثمرات

فرمایا، تمام سعادتوں کا سرمایہ سنت کی
متابعت ہے اور تمام فسادوں کی جڑ شریعت
کی مخالفت ہے۔
شریعت کے تابعداروں کی مثال ایسی ہے کہ وہ
قیمتی جواہرات کا کام کرتے ہیں کام تھوڑا اور
محنت (مزدوری) زیادہ۔ کل قیامت کے دن شریعت ہی
کی اتباع ہی کام آئے گی۔ احوال و مواجید
علوم و معارف اشارات و رموز اس متابعت
کے ساتھ میسر ہو جائیں تو بہتر اور زہے نصیب
ورنہ سوائے استدراج اور خرابی کے کچھ نہیں رکھا

## جامع مسجد حنفیہ شرقیہ مری
کی
## سالانہ سیرت کانفرنس کا پروگرام

۱۴ رجون بروز جمعرات۔ ۱۰ بجے صبح تا دوپہر
۲ بجے جمعیۃ علماء اسلام تحصیل مری کا
کنونشن۔

۱۵ رجون بروز جمعۃ المبارک خطاب جمعہ
مولانا عبدالکریم صاحب ندیم (تکمیل
نظام اسلام کانفرنس)

بعد نماز مغرب سلسلہ عالیہ
قادریہ راشدیہ کے طریق پر صوفی محمد یونس
صاحب مجلس ذکر کرائیں گے۔

۱۶ رجون بروز ہفتہ جلسہ عام صدیق
چوک صبح ۹ بجے تا ۱۲ بجے اور پھر
۲ بجے تا ۵ بجے۔ جس میں قائد جمعیۃ
حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ العالی
مولانا محمد اجمل خاں صاحب اور مولانا
عبدالکریم ندیم صاحب اور دیگر علماء
خطاب فرمائیں گے۔

الداعی الی الخیر: قاری محمد اسد اللہ جامی
امیر جمعیۃ علماء اسلام مری و مہتمم مدرسہ
دارالعلوم ربانیہ جامع مسجد شرقیہ مری۔

(آخری قسط)

# عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں

# حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

# کی دینی اور سیاسی خدمات

ظفر اللہ بیگ، ایم اے تاریخ

## تبوک کے موقع پر صدیق اکبرؓ کا امدادی فنڈ

غزوہ تبوک کے موقع پر رسول کریمؐ نے صحابہ سے چندہ کی اپیل کی تو صحابہ کرامؓ اس بات پر خوش تھے کہ آج ہم صدیقؓ سے بازی لے جائیں گے۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے جب چندہ کی اپیل کی تو اس وقت میرے پاس کافی مال تھا میں اس کا نصف لے کر خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوا اور اپنے دل میں کہا کہ آج میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بازی لے جاؤں گا مگر اس موقع پر بھی جو شرف صدیقؓ کو حاصل ہوا وہ ہم میں سے کسی کو بھی نصیب نہ ہو سکا۔ حضرت ابوبکرؓ گھر کا سارا مال لے کر حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر عرض کی کہ "میں نے گھر میں اپنے بچوں کے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ کو چھوڑا ہے۔ علامہ اقبال کا ایک شعر اس واقعہ پر خوب صادق آتا ہے۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس[23]

ابن عساکر لکھتے ہیں کہ حضرت[24] ابوبکرؓ کے چندہ کی مقدار چار ہزار درہم تھی حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ اس غزوہ میں حضرت ابوبکرؓ کی شرکت کی دو خصوصیتیں تھیں۔

(۱) اسلامی فوج کا جائزہ لینا اور اس کی امارت کی خدمت آپ کے سپرد تھی۔

(۲) اثنائے سفر میں آنحضورؐ نے چند لوگوں کے ساتھ ایک جگہ شب باشی کی اور لشکر سے دور رہ گئے۔ اس حالت میں رسول کریمؐ نے فرمایا، "اگر لشکر صدیقؓ اور فاروقؓ کی پیروی کرے گا تو راہ یاب ہو گا۔"[25]

چونکہ مدینہ میں سلطنت کے انتظام و انصرام کے سلسلے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ رسولِ کریمؐ کے دست راست اور مشیر خاص تھے اور تمام امور مملکت آپ کے مشوروں سے طے پاتے تھے۔ اس بناء پر آپ عموماً سرایا کی مہم پر نہیں بھیجے جاتے تھے اور مدینہ میں ہی آپ کے پاس رہ کر مختلف امور کے بارے میں مشورے دیتے رہتے جیسا کہ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضورؐ نے فرمایا، "میں چاہتا ہوں کہ اطراف و اکناف میں لوگوں کو فرائض و سنن کی تعلیم دینے کی غرض سے اپنے آدمی بھیجوں جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں کو بھیجا کرتے تھے"، کسی نے عرض کی آپ ابوبکرؓ و عمرؓ کو کیوں نہیں بھیجتے ارشاد ہوا، "میں ان دونوں سے بے نیاز نہیں ہو

---

۲۳۔ علامہ سر محمد اقبال۔ بانگ درا ص ۲۵۱ پاکستان ٹائمز پریس لاہور

۲۴۔ ابن عساکر۔ تاریخ ابن عساکر ص ۱۱۰

۲۵۔ شاہ ولی اللہ دہلوی ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۱۲۶

سکتا یہ دین کے کان اور آنکھیں ہیں"[۳۵]
مگر بعض سرایا جو کسی حیثیت سے
اہم ہوتے تھے حضرت ابوبکرؓ کی
سرکردگی میں بھیجے جاتے تھے۔

## حضرت ابوبکر صدیقؓ
## بحیثیت امیر الحج ۹ ہجری

ذی الحج ۹ ہجری میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ایک قافلہ مکہ
کو روانہ کیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ
کو اس قافلہ کا میر کارواں یا امیر الحج
مقرر کیا۔ اس میں آنحضورؐ کی طرف سے
بیس اونٹ اور حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے
پانچ اونٹ بھی قربانی کے لئے شامل تھے۔
چنانچہ حبیب الرحمن خان شیروانی لکھتے ہیں
کہ "اسلام میں یہ پہلے امیر الحج ہیں"۔[۳۶]
حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج مقرر کرنا
اس لئے بھی مقصود تھا تاکہ جمعیت المسلمین
اپنے مستقبل کے نئے قائد سے مانوس ہو
جائے اور ان کی صلاحیتوں سے اچھی طرح
روشناس ہو جائے۔ علاوہ ازیں اپنی موجودگی
میں اس قسم کی قیادت کا شرف بخشنا محض
تربیت دینا مقصود تھا تاکہ حضرت ابوبکرؓ
مسلمانوں کی قیادت کے اہل ہو جائیں۔

## حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اندیشہ

حجۃ الوداع سے واپسی پر آنحضورؐ
نے ایک خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا،
"خدا نے ایک بندے کو دنیا میں اور اس
چیز میں جو اللہ کے پاس ہے اختیار دیا کہ
ان دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کر لے اس
بندے نے قربان خداوندی کو اختیار کیا"۔ یہ
سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ رونے لگے۔[۳۷]
صحابہؓ کو حیرت ہوئی کہ اس میں رونے کی کیا بات
ہے لیکن محرم اسرار نبوت اور رمز شناس
کلامِ رسالت بھی فوراً سمجھ گئے کہ "آپ
کا دنیا سے رحلت کا وقت قریب آپہنچا
ہے"۔[۳۸]

## حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت صلوٰۃ کا حکم

جب مرض نے شدت اختیار کی۔
اور آپ امامت کے قابل نہ رہے تو
آپ نے فرمایا کہ "ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ
نماز پڑھائیں"۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ
نے عرض کی کہ "ابوبکرؓ رقیق القلب ہیں
جب وہ اپنی جگہ کھڑے ہوں گے تو گریہ
کی شدت سے ان کی آواز کسی کو سنائی
نہیں دے گی"۔ مگر رسولِ خداؐ ابوبکرؓ
کی امامت سے زیادہ راضی تھے۔ اس
لئے دوبارہ جھڑک کر حکم دیا۔ ادھر
حضرت عائشہؓ کا الفاظ کو دہرانا بھی
مصلحت سے خالی نہ تھا چنانچہ جب
رسول خداؐ نے دوبارہ حکم دیا تو حضرت
صدیقؓ نے پنجشنبہ کو عشاء کے وقت
سے امامت شروع کی۔ اس طرح سترہ
نمازیں حضورؐ کی حیاتِ مبارک میں پڑھائیں
حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ "حضرت ابوبکرؓ
نے جو آخری نماز پڑھائی وہ نماز فجر تھی"۔[۳۹]
اسی واقعہ سے مورخین یہ استدلال
پیدا کرتے ہیں کہ اپنی حیاتِ طیبہ کے بالکل
آخری دنوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ
کو دنیائے اسلام کی مرکزی مسجد کی
امامت کا شرف بخشنا۔ درحقیقت آپ
کی خلافت کی طرف ایک واضح اشارہ تھا۔
لیکن آج کل یہ سوچنا کہ محض مسجد کی امامت
سے خلافت کا حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے،
یہ محض دورِ مصطفوی کے نظامِ حکومت
سے بے خبری پر مبنی ہے۔ جبکہ مدینہ کی مسجد کا
امام وہی ہوتا تھا جو وقت کا سربراہ مملکت
ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسول کریمؐ
بیماری کی وجہ سے امامت کے قابل نہ رہے تو
حضرت ابوبکرؓ کو اپنے بعد امامت کا
جانشین مقرر فرمایا اور حضورؐ نے اپنی آنکھوں
سے دیکھا کہ ابوبکرؓ مسلمانوں کی اقتداء کر
رہے ہیں۔ نبی کریمؐ کی موجودگی میں مسلمانوں
کی امامت کا شرف کوئی معمولی اعزاز نہ
تھا جس کا حکم خود رسالت مآب کی زبان
مبارک سے صادر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ
صوبوں کے سربراہ جہاں حاکم مقرر ہوتے
تھے وہاں ان کی ذمہ داری یہ بھی تھا کہ
وہاں کی مسجد کی امامت کے فرائض بھی

---

۳۵۔ حاکم۔ مستدرک حاکم۔ جلد ۳ ص ۴۴
۳۶۔ محمد حبیب الرحمن شیروانی۔ سیرت صدیقؓ ص ۲۵
۳۷۔ صحیح بخاری عن عائشہ صدیقہ بحوالہ قاضی محمد سلیمان منصورپوری "رحمۃ للعالمین" جلد ا ص ۲۱۸، ۲۱۹
۳۸۔ امام بخاری۔ بخاری جلد ا ص ۵۱۶
۳۹۔ ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۴۴

سرانجام دیں اور جب تک نبی کریم صلعم زندہ رہے آپ مدینہ کی مسجد میں فرائض امامت سرانجام دیتے رہے۔

## وفاتِ رسول مقبول کے موقع پر

## حضرت ابوبکرؓ کا مجمع پر کنٹرول

رسول کریم صلعم کی وفات ایسے وقت میں ہوئی جب آپؐ کے قریبی رفقاء کو اس کا وہم وگمان تک نہ تھا۔ حضور کریم صلعم کی حالت قدرے بہتر ہو گئی تھی چنانچہ حضرت ابوبکرؓ آپ سے اجازت لے کر محلہ سنخ میں اپنی بیوی بنتِ خارجہ کے پاس چلے گئے۔

ادھر پیچھے رسول کریمؐ کا انتقال ہو گیا صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت عمرؓ کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں آپ کی وفات کی بالکل توقع نہ تھی۔ اور نہ ہی وہ اس جانکاہ خبر کے لئے ذہنی طور پر تیار تھے۔ چنانچہ جب سالم بن عبید کے ذریعے حضرت ابوبکرؓ کو اس حادثہ فاجعہ کی خبر ملی تو فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ پہنچے اور جسد اطہر کے قریب کھڑے ہو کر رخ روشن سے چادر اٹھائی جھک کر بوسہ دیا اور کہا "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ زندگی میں بھی پاک وصاف تھے اور موت کے بعد بھی پاک وصاف ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز دو موتیں نہیں دے گا۔" اس کے بعد مسجد میں آئے جہاں کہرام مچا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کھڑے ہو کر قسمیں کھا رہے تھے کہ رسول اللہؐ کی وفات نہیں ہوئی حضرت ابوبکرؓ نے انہیں سمجھا بجھا کر بٹھا دیا اور صحابہ کے شور وغل کو ختم کرنے کے بعد تقریر شروع کی۔ جو شخص محمدؐ کی پوجا کرتا تھا وہ سن لے کہ محمدؐ وفات پا

بقیہ بر ص ۲۵

# بصائر و عبر

الحمدُ للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ ط

[۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ کو "مجلس تحقیقِ مسائلِ حاضرہ" کا ایک اجلاس دارالعلوم لانڈھی میں منعقد ہوا، جس میں مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی، مولانا محمد رفیع عثمانی، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق، مولانا محمد جمیل خان اور راقم الحروف نے شرکت کی۔ اجلاس میں حکومت کے جاری کردہ "زکوٰۃ و عشر، کا حکم نامہ" حرفاً حرفاً پڑھا گیا۔ اور اس کے مندرجات پر طویل غور و خوض کیا گیا، ذیل میں مجلس کی رائے کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے۔ محمد یوسف لدھیانوی]

(۱) حکمنامہ کی تمہید میں کہا گیا ہے:

"اور ہرگاہ کہ شریعت اسے مملکت کا ایک فرض قرار دیتی ہے کہ وہ ہر صاحب نصاب مسلمان سے زکوٰۃ اور عشر وصول کرے۔ نیز افراد کو یہ اجازت دیتی ہے کہ اس کا جو حصہ مملکت نے وصول نہ کیا ہو اسے اسی مقصد کے لئے صرف کر دے"

اس میں صرف مملکت کا فرض بتایا گیا ہے۔ افراد کے فرض کی تصریح نہیں کی گئی۔ اس لئے اس فقرہ میں یہ ترمیم ہونی چاہیے:

"اور ہرگاہ کہ شریعت ہر صاحب نصاب مسلمان پر (بشمول دیگر شرائط) زکوٰۃ فرض قرار دیتی ہے، اور حکومت پر یہ ذمہ داری عائد کرتی ہے کہ وہ عشر اور اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کا انتظام کرے۔ الخ"

(۲) باب اول کی دفعہ ایک، ذیلی دفعہ (۲) میں کہا گیا ہے:

اس حکمنامے کا اطلاق مسلمانوں پر ہوگا، نیز اس کمپنی یا انجمن پر، جو خواہ مشمولہ ہو یا غیر مشمولہ، مگر اس کے بیشتر حصص یا اثاثہ جات مسلمانوں کے قبضے میں ہوں"

اس فقرہ میں کمپنی کو "قانونی فرد" قرار دے کر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اگر اس کے بیشتر حصص مسلمانوں کے ہوں تو وہ کمپنی "مسلم" تصور کی جائے گی اور اس پر قانون زکوٰۃ کا اطلاق ہوگا۔ ورنہ وہ "غیر مسلم" ہونے کی وجہ سے قانونِ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوگی۔ شرعی نقطۂ نظر سے اس فقرہ میں حسب ذیل سقم پائے جاتے ہیں:

الف: کمپنی کو "قانونی فرد" قرار دینا ایک نئی اصطلاح ہے۔ جس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔ نہ وہ حصہ داروں کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے کی مجاز ہے۔

ب: جس کمپنی میں بیشتر حصص غیر مسلموں کے ہوں اس کے مسلم حصہ داروں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنا غلط ہے۔

ج: جس کمپنی میں بیشتر حصص مسلمانوں کے ہوں اس کے غیر مسلم حصہ داروں پر قانونِ زکوٰۃ کا اطلاق غلط ہے۔

د: کمپنی کے تمام مسلم حصہ داروں کا فرداً فرداً صاحب نصاب ہونا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شرط ہے۔ دیگر ائمہ کے نزدیک کمپنی کا مشترک قابلِ زکوٰۃ اثاثہ نصاب کی حد کو پہنچتا ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر ہماری تجویز یہ ہے کہ اس فقرہ میں ترمیم کی جائے بیشتر حصہ داروں کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کی تفریق ختم کر کے یہ قرار دیا جائے کہ کمپنی کے مسلم حصہ داروں سے بشرطیکہ ان کے حصص بقدرِ نصاب ہوں، زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔

(۳) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وجوب زکوٰۃ کے لئے صاحب نصاب کا عاقل و بالغ ہونا شرط ہے۔ جب کہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک نابالغ اور فاترالعقل کے مال پر بھی زکوٰۃ لازم ہے۔ اس حکمنامے میں غالباً یہی مسلک اختیار کیا گیا ہے اگر مصالح کا تقاضا یہی ہو تو اس کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ تاہم بہتر ہوتا کہ اس حکمنامے میں اس کی تصریح کر دی جاتی ——— تاکہ عام مسلمانوں کو الجھن نہ ہوتی ———

(۴) اموال ظاہرہ و اموال باطنہ:

باب اول دفعہ ۲ کی ذیلی شق "ب" میں اموالِ باطنہ کی تعریف یہ کی گئی ہے:

"اموالِ باطنہ سے مراد وہ اثاثے ہوں گے جو کوئی شخص عام طور پر منظرِ عام پر نہ رکھتا ہو۔ بلکہ نجی حفاظت میں رکھتا ہو۔ اس میں سونا چاندی اور دوسری قیمتی دھاتیں اور پتھر اور ان سے تیار شدہ مصنوعات۔ ایسی نقد رقوم جنہیں بینک یا کسی اور ادارے میں جمع نہ رکھا گیا، اور انعامی بانڈز شامل ہیں" ———

اور فقرہ "ج" میں اموالِ ظاہرہ کی تعریف یہ کی گئی ہے:

"اموالِ ظاہرہ سے مراد ایسے اثاثے ہونگے جو مذکورہ شیڈول میں درج اموال باطنہ میں مذکور نہ ہوں" ———

ان تین چیزوں پر تنبیہ ضروری ہے۔ اوّل یہ کہ ہم مذاہب اربعہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ اموالِ ظاہرہ و اموالِ باطنہ کی یہ تعریف ائمہ اربعہ کی متفق علیہ تعریف کے خلاف ہے۔ حضرات فقہاء نے "اموالِ ظاہرہ" میں تین چیزوں کو شمار کیا ہے۔

(۱) وہ مویشی جو نسل کشی کے لئے پالے جاتے ہوں اور جنگل میں چرتے ہوں۔

(۲) مالِ تجارت جو شہر سے باہر لیجایا جائے۔

(۳) کھیتوں اور باغات کی پیداوار۔

ان تین چیزوں کے علاوہ باقی تمام اموال کو "اموالِ باطنہ" میں شمار کیا گیا ہے ہم اس بات پر زور نہیں دیتے کہ حکومت اموالِ تجارت، کارخانوں، فیکٹریوں اور کمپنیوں کے قابلِ زکوٰۃ اموال، اور بینکوں میں جمع شدہ رقوم کی زکوٰۃ وصول نہ کرے، کیونکہ ہمارے معاشرہ میں عام طور سے ان اموال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا رواج نہیں ہے، اور فقہائے اُمّت نے تصریح کی ہے کہ اگر لوگ اموال باطنہ کی زکوٰۃ ادا نہ کریں تو حکومت پر لازم ہے کہ وہ ان سے وصول کرے۔

اس لئے ہماری تجویز یہ ہے کہ اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی متفقہ تعریف کو تو تبدیل نہ کیا جائے کیونکہ اس سے فقہی اصطلاحات میں تحریف کا راستہ کھل جائے گا، البتہ یہ قرار دیا جائے کہ:

"حکومت عام اموالِ تجارت، کارخانوں اور کمپنیوں کے قابلِ زکوٰۃ اثاثہ جات، اور بینکوں میں جمع شدہ رقوم کی زکوٰۃ بھی وصول کرے گی۔ اِلّا یہ کہ کوئی شخص یہ ثبوت فراہم کر دے کہ اس نے بطورِ خود ان چیزوں کی زکوٰۃ ادا کر دی ہے"

اس ترمیم کے بعد اموالِ ظاہرہ و اموالِ باطنہ کی مسلّمہ تعریف میں ردّو بدل اور مسخ و ترمیم کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ اور حکومت کا مقصد (کہ مسلمان ان تمام اموال کی زکوٰۃ ادا کریں) بھی آسانی سے پورا ہو جائے گا۔

دوم یہ کہ ایک طرف تو اس حکمنامہ میں حکومت کی ذمہ داری کا دائرہ بڑھانے کے لئے اموال ظاہرہ و اموال باطنہ کی تعریف بدل دی گئی ہے۔ مگر دوسری طرف مویشیوں کی زکوٰۃ کو جس کی تحصیل و تقسیم شرعًا حکومت کے ذمہ ہے، حکومت کے دائرہ کار سے یکسر خارج کر دیا گیا۔ اس میں غالبًا یہ مصلحت کارفرما ہے کہ تحصیلِ زکوٰۃ کے عملے کو پہاڑوں، جنگلوں اور وادیوں میں جانے کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔

یہ صحیح ہے کہ پاکستان میں ایسے مویشیوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں اور یہ بھی درست ہے کہ حکومت اگر ضرورت محسوس کرے تو اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ بھی اربابِ اموال کو بطورِ خود ادا کرنے کی اجازت دے سکتی ہے۔ مگر اس کو ایک قانونی شکل دے دینا غلط ہے۔ اور اس کی اصلاح لازم ہے

سوم یہ کہ اموالِ زکوٰۃ میں سونا چاندی کے علاوہ قیمتی دھاتوں، پتھروں کی مصنوعات اور سمندری چیزوں کو بھی شمار کر لیا گیا ہے حالانکہ ان چیزوں پر صرف اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جب کہ وہ تجارت کے لئے ہوں — اس لئے ان میں "برائے تجارت" کی تصریح لازم ہے۔

## ⑤ نصاب زکوٰۃ :

باب اوّل کی دفعہ ۲ کے ذیلی فقرہ (ط) میں کہا گیا ہے :

"نصاب سے مراد وہ اثاثے ہوں گے جو زکوٰۃ کے معاملہ میں ۸۷.۴۸ گرام خالص سونے کی قیمت کے برابر ہوں"

شریعت نے چاندی کا نصاب دوسو درہم (۵۲½) تولے سونے کا بیس مثقال (۷½ تولے) مقرر کیا ہے اگر کسی کے پاس صرف سونا یا صرف چاندی ہو وہ تو اسی مقررہ مقدار کی صورت میں صاحبِ نصاب کہلائے گا۔

البتہ اموالِ تجارت کی قیمت لگاتے وقت سونے کو معیار بنایا جائے یا چاندی کو؟ اس میں فقہاء کی آراء میں قدرے اختلاف نظر آتا ہے اور اس میں زیادہ احتیاط کی بات یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں سے جس کے نصاب کے برابر بھی مالیت ہو جائے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اس لئے ہماری تجویز یہ ہے کہ اس بارے میں چاندی کے نصاب کو معیار بنانا قرینِ مصلحت ہے — اور اگر حکومت سونے کے نصاب ہی کو معیار ٹھہرانا کسی وجہ سے ضروری سمجھتی ہے تب بھی اربابِ اموال کا فرض ہوگا کہ باقی ماندہ زکوٰۃ بطورِ خود ادا کریں۔

یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شخص کچھ چاندی، کچھ سونے، کچھ نقد روپے، کچھ مالِ تجارت کا مالک ہو، ان میں کوئی ایک چیز بھی الگ طور سے بقدرِ نصاب نہ ہو، لیکن ان سب کی مجموعی مالیت چاندی کے نصاب کے برابر ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

## ⑥ عطیات

باب اوّل کی دفعہ ۲ کے ذیلی فقرہ (ن) میں کہا گیا ہے :

"صدقات سے مراد رضاکارانہ عطیات اور چندے ہیں"

اور باب دوم، دفعہ ۳ کی ذیلی شق (۱) میں "زکوٰۃ فنڈ" کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے :

"ایک "زکوٰۃ فنڈ" قائم کیا جائے گا جس کے کھاتے میں زکوٰۃ، عشر اور صدقات کی تمام تحصیلات جمع کی جائیں گی"—

شرعی اصطلاح میں "صدقات" کا لفظ زکوٰۃ و عشر کیلئے استعمال ہوتا ہے اس لئے رضاکارانہ عطیات اور چندوں کے لئے "عطیات" کی اصطلاح اختیار کرنا مناسب ہے،

نیز ہماری تجویز یہ ہے کہ عطیات کو "زکوٰۃ فنڈ" کے کھاتے میں نہ ڈالا جائے بلکہ عطیات کا کھاتہ اور اس کے حسابات بالکل الگ رکھے جائیں۔ کیونکہ زکوٰۃ کے مصارف میں بہت احتیاط کی ضرورت ہوگی۔ اور جہاں زکوٰۃ کا صرف کرنا صحیح نہیں وہاں "عطیات فنڈ" خرچ کیا جا سکے گا۔ مثلاً کسی سید اور ہاشمی کی خدمت زکوٰۃ فنڈ سے نہیں کی جا سکتی، زکوٰۃ کسی غیر مسلم کو نہیں دی جا سکتی۔ رفاہی اداروں پر خرچ نہیں کی جا سکتی — ان تمام مواقع میں "عطیات فنڈ" سے خرچ کیا جا سکے گا — حکومت کے اہل کاروں کو ان دونوں حسابات کے الگ الگ رکھنے اور خرچ کرنے میں تھوڑی سی پریشانی تو ضرور ہوگی۔ مگر شرعًا الگ الگ حساب رکھنا ضروری ہے۔ اور اس کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔

## ⑦ مقروض پر زکوٰۃ :

باب سوم، دفعہ ۴ کی ذیلی دفعہ (۳) میں کہا گیا ہے :

"زکوٰۃ کے طور پر وصول کی جانے والی رقم کا تعین کرتے ہوئے ان اثاثوں کی قیمت سے جن پر زکوٰۃ وصول کی جائے گی، قرضہ جات کا حساب منہا کرنے کی گنجائش ہوگی جو ضوابط کے ذریعہ متعین کردہ طریقے اور خصوصی حد کے مطابق ہوگی۔

شرط یہ ہے کہ قرضوں کے سلسلہ میں کسی ایسے قرض کی تخفیف کی گنجائش نہیں ہوگی جس کا تعلق ایسے اثاثے سے ہوگا جس پر زکوٰۃ نہ نکلتی ہو"

یہ ایک بہت ہی اہم اور پیچیدہ مسئلہ ہے جس سے اس پیراگراف میں تعرض کیا گیا ہے۔ اس میں معمولی افراط و تفریط بھی سنگین نتائج کی حامل ہو سکتی ہے جہاں تک "فقہائے امت" کے مذاہب کا تعلق ہے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک تو سوائے دَینِ مؤجل کے باقی تمام دیون (قرضے) منہا کرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ امام شافعی رح کا قول قدیم بھی یہی ہے امام مالک رح کے نزدیک دَین اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ سے مانع ہے، اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ سے مانع نہیں اور امام شافعی رح کا قول جدید یہ ہے کہ دَین مطلقًا مانع نہیں

حکمنامے کے مندرجہ بالا پیراگراف میں غالبًا اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ ہماری تجویز یہ ہے کہ ایسے قرض کو منہا قرار دینا ضروری ہے جو عام ضروریاتِ زندگی کی بناء پر ہو، کسی پیداواری جائداد، مسرفانہ اخراجات، یا سامانِ تعیش خریدنے کی بناء پر نہ ہو

البتہ عُشر مقروض کی پیداوار پر بھی واجب ہے۔

## ⑧ حیوانات اور سمندر کی چیزوں پر زکوٰۃ :

باب سوم، دفعہ ۴ کی ذیلی دفعہ (۴) میں کہا گیا ہے :

"اموالِ باطنہ، بینکوں اور دوسرے مالی اداروں میں جمع شدہ حساب جاری حیوانات، مچھلیاں، اور سمندر سے پکڑی یا پیدا کی جانے والی اشیاء پر لازمی طور پر زکوٰۃ نہیں وصول کی جائے گی، لیکن شق نمبر (۵) کے تحت وصول کی جا سکے گی"

ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ جن حیوانات پر زکوٰۃ فرض ہے ان کی وصولی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے حیوانات کو لازمی وصولی سے مستثنیٰ کرنا غلط ہے۔

اور یہ بھی اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ دریائی پیداوار پر زکوٰۃ واجب نہیں، جب تک کہ اسے فروخت نہ کر دیا جائے۔ فروخت کرنے کے بعد معروف شرائط کے ساتھ اس کی رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اس لئے ان تمام چیزوں کو اس پیراگراف سے حذف کر دینا ضروری ہے۔

## ⑨ زائد وصول شدہ رقم کی واپسی :

باب سوم، دفعہ ۴ کی ذیلی دفعہ (۶) میں کہا گیا ہے :

"جب کوئی ایسا شخص جس سے وسائل پر زکوٰۃ وصول کی گئی ہو یہ ثابت کر دے کہ اس سے اس حکمنامہ کے تحت عائد شدہ زکوٰۃ سے زیادہ زکوٰۃ وصول کی گئی ہے تو جو رقم اس نے زائد ادا کی ہوگی واپس

کر دی جائے گی"۔

اس پیراگراف میں "اس حکمنامہ کے تحت عائد شدہ زکوٰۃ" کے بجائے "شریعت کی عائد کردہ زکوٰۃ" کا لفظ ہونا چاہیے۔

دوسرے، اگر کسی شخص سے زائد از زکوٰۃ رقم وصول کر لی گئی تو زائد رقم کی واپسی حکومت کا فرض ہے۔ مگر تجربہ ہے کہ جو چیز ایک بار حکومت کے خزانے میں داخل ہو جاتی ہے پھر اس کا واپس لینا آسان نہیں رہتا۔ خصوصاً سو پچاس روپے کی واپسی کے لئے کون تگ و دو کرتا پھرے گا۔ اس لئے اندیشہ ہے کہ اسے ظلم و استحصال کا ذریعہ نہ بنا لیا جائے۔ حکومت کو اس کے انسداد کی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ ایسا واقعہ کبھی شاذ و نادر صورت کے سوا پیش نہ آسکے، اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا جائے کہ اتنی زائد رقم کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں جمع کر لیا جائے گا۔

## (۱۰) عشری اور خراجی زمین:

حکمنامے کا باب چہارم "عشر" سے متعلق ہے۔ اور یہ ایک معروف حقیقت ہے کہ "عشر" عشری زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے، لیکن حکمنامے میں عشری اور خراجی زمین کی کوئی تمیز نہیں کی گئی۔ اور نہ ان کی تعریف کی گئی ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک دفعہ ۶ میں مندرجہ ذیل شق کا اضافہ کیا جانا ضروری ہے:-

"عشر، صرف عشری زمین سے وصول کیا جائے گا۔

تشریح: مندرجہ ذیل زمینوں کے علاوہ سب زمینیں عشری تصور کی جائیں گی۔

(الف) جو زمینیں غیر مسلم کی ملکیت میں ہوں۔

(ب) ایسی زمینیں جن کا کسی وقت غیر مسلم کی ملکیت میں رہنا معلوم ہو، بشرطیکہ وہ متروکہ جائداد نہ ہو"۔

## (۱۱) عشر کس شخص پر واجب ہوگا:

در اصل ــــــ شریعت کے اس قانون کا واضح طور پر منشاء یہ ہے کہ ارباب

باب چہارم دفعہ ۶ کے پیراگراف (۱) میں کہا گیا ہے:

"اس حکمنامے کی دوسری شرائط کے سوا ہر مالک زمین، ہبہ دار، پٹہ دار یا ٹھیکیدار سے اس کے پیداوار کے حصے پر ۵ فیصد کی شرح سے عشر وصول کیا جائے گا"۔

اس میں دو چیزیں اصلاح طلب ہیں، ایک یہ کہ ۵ فیصد کی شرح سے عشر نہری زمینوں پر وصول کیا جاتا ہے، جب کہ وہ بارانی زمینیں (جن کی سیرابی کنوئیں ٹیوب ویل یا نہر کے پانی سے نہ ہوتی ہو) ان پر دس فیصد کی شرح سے عشر واجب ہے

دوم یہ کہ عشر ہر اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس کے گھر پیداوار جائے چنانچہ بٹائی کی پیداوار پر مالک اور کسان دونوں کو اپنے اپنے حصے کا عشر ادا کرنا ہوگا۔ اگر حکومت کسانوں سے عشر نہیں لینا چاہتی، یا بارانی زمینوں پر بھی صرف ۵ فیصد کی شرح سے ہی وصول کرنا چاہتی ہے تب بھی مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے تاکہ جن پر عشر شرعاً واجب ہے، اور وہ حکومت کے قانون سے مستثنیٰ ہو سے وہ بطور خود ادا کر دیں

## (۱۲) عشر کی ادائیگی نقد یا بصورت جنس؟

باب چہارم دفعہ ۶ کی ذیلی دفعہ (۳) میں کہا گیا ہے:

"عشر نقد وصول کیا جائے گا۔ جہاں گندم یا دھان کی شکل میں ہو وہاں عشر نقد یا جنس کی شکل میں وصول کیا جا سکتا ہے"۔

اے کا یہ فقرہ شریعتِ اسلام کے مزاج سے کوئی میل نہیں کھاتا ــــــ کہ سب جانتے ہیں شریعت نے ہر چیز کی زکوٰۃ اسی کی جنس سے تجویز فرمائی میں سے نقد، مویشیوں میں سے مویشی۔ اور غلوں اور پھلوں میں سے غلّہ

اموال کو فریضۂ زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے کسی قسم کی اُلجھن اور پریشانی لاحق نہ ہو ــــــ گویا شریعت نے زکوٰۃ و عشر ادا کرنے والے کی سہولت کو سب سے مقدم رکھا ہے۔ اس کے برعکس اس حکمنامہ میں عشر ادا کرنے والوں کے بجائے حکومت کے عملہ کی سہولت ملحوظ رکھی گئی ہے، اور ہمارے نزدیک حکومت کے عملہ کی سہولت کی خاطر عوام کو اُلجھن میں ڈالنا، ظلم و ستم کا دروازہ کھولنے کے ہم معنی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اربابِ اموال اپنی جنس فروخت کر کے بآسانی نقد ادائیگی کر سکتے ہیں تو اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ جس سہولت کے ساتھ دیہات کے کاشتکار اپنی جنس فروخت کر سکتے ہیں اس سے زیادہ سہولت کے ساتھ حکومت کا عملہ بصورتِ جنس عشر وصول کرنے کے بعد اسے فروخت بھی کر سکتا ہے بہرحال جنس کو فروخت کر کے نقد ادائیگی کی ذمہ داری کاشتکاروں پر ڈالنا صریح غیر منصفانہ بات ہے، جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی ــــــ اس لئے اس فقرہ میں حسب ذیل ترمیم ہونی چاہیے:

"عشر بصورتِ نقد یا جنس (جس میں بھی ادا کنندہ کو سہولت ہو) وصول کیا جائیگا" ــــــ

## (۱۳) عشر کا نصاب:

باب چہارم دفعہ ۶ کی ذیلی دفعہ (۴) میں عشر کا نصاب ۵ وسق (۹۴۸ کلوگرام) گندم یا اس کے مساوی قیمت کو قرار دیا گیا ہے ــــــ

امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک زمین کی تمام پیداوار پر، خواہ کم ہو یا زیادہ، عُشر واجب ہے۔ البتہ ۵ وسق سے کم مقدار کا عشر حکومت وصول نہیں کرے گی۔ بلکہ مالکان کو بطور خود ادا کرنا چاہیے۔ لیکن تمام اشیاء کے لئے گندم کے ۵ وسق کو نصاب قرار دینا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جو چیزیں وسق کے تحت آتی ہیں ان میں سے ہر ایک چیز کا نصاب خود اس کے پانچ وسق ہوں گے، نہ کہ گیہوں کے ــــــ

البتہ جو چیزیں وسق کے تحت نہیں آتیں (مثلاً کپاس اور گنے کی فصل) اس کے بارے میں امام ابو یوسف رح کا فتویٰ یہ ہے کہ سب سے کم قیمت جنس چیز کے ۵ وسق کی قیمت کو نصاب تصور کیا جائے گا۔ اور جدید دور کے بعض علماء (مثلاً شیخ یوسف قرضاوی صاحب "فقہ الزکوٰۃ") کی رائے یہ ہے کہ متوسط قیمت کی جنس کے ۵ وسق کو نصاب تصور کرنا چاہیے۔ اس رائے پر اعتماد کرتے ہوئے کپاس، گنا اور اسی قسم کی دیگر غیر منصوص چیزوں کے لئے گندم کو معیار بنایا جا سکتا ہے مگر منصوص و غیر منصوص تمام اشیاء کے لئے گندم کی قیمت کو معیار بنا دینا غلط ہوگا، اس لئے ہمارے خیال میں اس حکمنامہ کے مرتب کرنے والے حضرات نے حکومت کے عملہ کی سہولت کے لئے "ناروا اجتہاد" سے کام لیا ہے۔

## (۱۴) زکوٰۃ و عشر کے مصارف:

باب ششم میں "زکوٰۃ فنڈ" کے مصارف کی تفصیل بتلاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس رقم سے قرض لے کر غریبوں کے فائدے کے لئے ہسپتال اور تعلیمی، صنعتی اور پیشہ ورانہ تربیت کے ادارے قائم کئے جائیں گے۔

"اور اس قرض کی ادائیگی ایک عرصے میں ان لوگوں سے وصول کردہ فیس سے کی جائے گی جو ان اداروں سے سہولتیں حاصل کریں گے، سوائے ان لوگوں کے جو زکوٰۃ اور عشر کے مستحق ہوں" ــــــ

"زکوٰۃ فنڈ" سے قرض لے کر اس قسم کے ادارے قائم کرنا صحیح نہیں۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے عرض کر چکے ہیں، حکومت کو "عطیات فنڈ" کا حساب الگ رکھنا چاہیئے۔ اور اس قسم کے اداروں کے لئے "عطیات فنڈ" سے قرض لیا جانا چاہیے۔ کیونکہ ایسے اداروں سے مسلم و غیر مسلم اور غنی و فقیر سب ہی مستفید ہوں گے۔ اور یہ بات فقراء کے فائدہ مند نہیں، بلکہ ان کی حق تلفی ہے کہ جو مال اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مخصوص کیا تھا اس سے غیر مستحق لوگوں کو مستفید کیا جائے

اس لئے زکوٰۃ فنڈ سے قرض دے کر اسے غیر مصرف پر خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ البتہ ہسپتال یا دیگر رفاہی اداروں سے غرباء کے مستفید ہونے کے لئے زکوٰۃ فنڈ کا ایک حصہ بایں طور مخصوص کیا جا سکتا ہے کہ اس سے غرباء کی فیس، ادویات اور دیگر ضروریات مہیا کی جائیں۔

⑮ عاملین زکوٰۃ کی تنخواہیں:

باب ششم، دفعہ ۱۵ میں زکوٰۃ کے مصارف میں "زکوٰۃ و عشر کی تحصیل کے اخراجات اور نظم و نسق"، کو بھی شمار کیا گیا ہے،

یہ تو ظاہر ہے کہ زکوٰۃ و عشر کی فراہمی کے اخراجات اور اس کے عملہ کی تنخواہیں اسی فنڈ میں سے ادا ہوں گی۔ لیکن یہ مال جو خالص فقراء و مساکین کے لئے مختص ہے دفاتر کی تزئین و آرائش اور جدید تمدن کے غیر ضروری مسرفانہ اخراجات پر خرچ نہیں ہونا چاہیئے۔ ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس مال میں فقراء و مساکین کا حصہ تو کم ہی لگے گا، بیشتر رقم "نظم و نسق" ہی کی نذر ہو کر رہ جائے گی جیسا کہ اوقاف کے حکومت کی تحویل میں جانے کے بعد اس بات کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ وقف کا مال بڑی بڑی تنخواہوں، دفتروں کی آرائش اور افسروں کی آسائش پر بے دریغ خرچ کیا جا رہا ہے۔ فقہاء امت نے تصریح کی ہے کہ اگر تحصیل زکوٰۃ کے مصارف زکوٰۃ کی مجموعی مالیت کے نصف سے بھی بڑھ جائیں تو حکومت کو اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے بلکہ لوگوں کو بطور خود زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم کرنا چاہیے۔

⑯ نومسلم فقراء کی خصوصی اہمیت:

یہاں ہم یہ سفارش بھی کریں گے کہ "زکوٰۃ فنڈ" میں یوں تو تمام مسلمان فقراء و مساکین کا حق ہے۔ مگر جو لوگ اسلامی برادری میں نئے نئے شامل ہوتے ہیں، اور وہ "زکوٰۃ" کے مستحق بھی ہوں ان کو خصوصی اہمیت دی جائے، اور ان کو معاشی طور پر خود کفیل بنانے میں سب سے پہلے مدد دی جائے ــــــ کیونکہ اکثر نومسلم حضرات کو اپنے پچھلے ماحول سے الگ ہونے کے بعد معاشی الجھن پیش آتی ہے۔ حکومت کی طرف سے ایک خصوصی مد ان کے لئے ہونی چاہیے، اور اس کا باقاعدہ اعلان بھی کر دیا جائے تو بہتر ہے۔

⑰ زکوٰۃ ادا کرنے والے کی صوابدید:

باب ہفتم، دفعہ ۱۶ میں کہا گیا ہے کہ:

"ہر وہ شخص جو باب ششم میں مخصوص کردہ مقاصد کے لئے زکوٰۃ یا عشر ادا کرتا ہے وہ حق دار ہوگا کہ

(الف) ایڈمنسٹریٹر جنرل یا اس کے نامزد کردہ فرد سے کہے کہ اسکی ادا کردہ رقم کا ایک حصہ جو ۱۵ فیصد سے زائد نہ ہو اس کے بتائے ہوئے اداروں کو ادا کیا جائے۔ یا

(ب) یہ ثبوت بہم پہنچا کر کہ وہ اتنی رقم مذکورہ مقصد کے تحت صرف کر چکا ہے اس کی واپسی کا مطالبہ کرے" ــــــ

یہ طریقہ جو تجویز کیا گیا ہے غیر منصفانہ ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کو یہ علم نہیں ہوگا کہ اسکی درخواست قبول کر لی گئی یا نہیں؟ اور ایک بار حکومت کے خزانے میں زکوٰۃ جمع کرانے کے بعد اسکی واپسی کا مطالبہ کرنا بھی اچھا خاصا دردِ سر ہے۔ اس کے بجائے منصفانہ تجویز یہ ہوگی کہ اگر کوئی شخص یہ ثبوت فراہم کر دے کہ وہ اسقدر زکوٰۃ بطورِ خود ادا کر چکا ہے تو حکومت زکوٰۃ کا اتنا حصہ وصول نہیں کرے گی ــــــ نیز ۱۵ فیصد کی مقدار کم ہے، اگر حکومت زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو یہ حق دینا چاہتی ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے موافق بھی زکوٰۃ کا کچھ حصہ ادا کریں تو اس مقدار کو بڑھا کر کم از کم ۲۵ فیصد کر دینا چاہیے۔

⑱ چند ضروری سفارشات:

آخر میں نظام زکوٰۃ و عشر کے سلسلہ میں ہم چند ضروری سفارشات پیش کرنا چاہتے ہیں

① زمین کی پیداوار تو جب بھی حاصل ہو اسپر عشر واجب ہے مگر ادائیگی زکوٰۃ کے لئے مال پر سال کا گذرنا شرط ہے۔ اور سال سے قمری سال مراد ہے، شمسی سال نہیں ــــــ ہمارے ملک کا سارا نظام چونکہ شمسی تقویم کے مطابق چل رہا ہے اس لئے اس کا امکان ہے "زکوٰۃ و عشر کا نظام" بھی اسی کے مطابق چلایا جائے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہوگا، اس لئے ہم سفارش کرتے ہیں کہ اگر ملک کے پورے نظام کو قمری تقویم کے مطابق نہیں چلایا جا سکتا تو زکوٰۃ و عشر کے نظام میں بہر حال قمری سال کا ہی اعتبار کیا جائے۔ اور حکمنامے میں اس کی وضاحت کر دی جائے۔

② تحصیلِ زکوٰۃ میں کسی غیر مسلم کی خدمات حاصل نہیں کی جا سکتیں، مگر حکومت نے جو انتظامی ڈھانچہ تشکیل دیا ہے اس میں قوی امکان اس بات کا ہے کہ انتظامیہ کے کچھ ممبر غیر مسلم بھی ہوں گے۔ ہم اس کو حدود شرعیہ سے تجاوز سمجھتے ہیں۔ اس لئے حکمنامے میں اس کی صراحت کر دی جائے کہ کسی غیر مسلم کو کسی سطح پر بھی زکوٰۃ و عشر سے متعلق انتظامیہ میں شریک نہیں کیا جائے گا ــــــ

③ سید اور ہاشمی کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اسی طرح ان کو تحصیل زکوٰۃ کے کام پر مامور کر کے ان کی تنخواہ زکوٰۃ فنڈ سے دینا بھی جائز نہیں ــــــ اس لئے ہم سفارش کرتے ہیں کہ جو سید اور ہاشمی حضرات اعانت و امداد کے مستحق ہوں ان کی خدمت "عطیات فنڈ" سے کی جائے۔ اور ان کو زکوٰۃ و عشر کی تحصیل کے انتظام میں نہ لگایا جائے۔

④ زکوٰۃ کے مسائل بہت نازک ہیں، اور ہمارے بیشتر افسران مسائل شرعیہ سے بالکل ناواقف ہونے کے باوجود اپنے آپ کو "مجتہد مطلق" تصور کرتے ہیں ان سے یہ توقع بے جا نہیں کہ وہ اپنی سہولت کی خاطر "مسائل شرعیہ" سے انحراف کو معمولی بات تصور کریں۔ ہم سفارش کرتے ہیں کہ اس مقدس فریضۂ اسلام کو افسروں کے غلط اجتہاد سے پاک رکھا جائے۔ اور اسلامی نظریاتی کونسل اور ملک کے دیگر محقق علماء سے مسائل معلوم کر کے ان کی پابندی کو لازم سمجھا جائے۔ اس کا ایک آسان طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ علماء اسلام کا ایک بورڈ مقرر کر کے زکوٰۃ و عشر کے تمام ضروری مسائل کتابی شکل میں مدون کرائے جائیں اور پورے عملے کو ہدایت کی جائے کہ وہ ان کی پابندی کرے۔ ورنہ مسائل سے ناواقف حضرات نے اپنے بے ہنگم اجتہاد سے کام چلایا تو اس کا وبال بڑا سخت ہوگا۔

⑤ فریضۂ زکوٰۃ کے نفاذ کے بعد انکم ٹیکس کا باقی رکھنا بہت سی قباحتوں کو جنم دے گا۔ ہماری سفارش ہے کہ انکم ٹیکس کو ختم کر دیا جائے۔ اور اس کی جگہ حکومت کے مصارف کے لئے کوئی اور ٹیکس اسطرح لگایا جائے کہ اس میں چوری کا رجحان پیدا نہ ہو ــــــ اور وہ زکوٰۃ کے نظام کو متاثر نہ کرے۔

⑥ جس طرح مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے۔ اسی طرح غیر مسلموں سے جزیہ وصول کرنا بھی قرآن کریم کا حکم ہے ہماری سفارش ہے کہ ایک منصفانہ شرح کے ساتھ غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا جائے جسے حکومت کی ضروریات کے علاوہ غیر مسلم برادری کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جا سکے۔ حکومت چاہے تو اس کا نام "رفاہی ٹیکس" تجویز کر سکتی ہے۔ یہ ایک شرعی فریضہ ہے اور اسلام کے مالیاتی نظام میں اسکی بڑی اہمیت ہے

فرمایا حضرت مجددؒ نے

اہلِ ہنود نے بہت ریاضتیں اور سخت مجاہدے کئے لیکن شریعت کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے سب بے اعتبار اور خوار ہیں۔ اگر ان سخت مجاہدات و اعمال کا کچھ اجر ہو بھی تو وہ دنیاوی نفع ہی ہوگا جس کا کیا اعتبار ہے؟

# حضرت بہلوی رحمۃ اللہ علیہ

از احمد عبد الرحمن صدیقی ناظم اعلیٰ انجمن خدام الدین رجسٹرڈ۔ نوشہرہ چھاؤنی

اللہ جل شانہ نے اپنے فضل و احسان سے بندہ کو عزیزم قاری ریاض محمد سلمہ کے ہمراہ رائیونڈ کے تبلیغی اجتماع سے ایک تبلیغی چلہ پر ضلع جیکب آباد سندھ (رجب ۱۳۹۱ھ میں) جانے کی سعادت سے نوازا۔ اس سفر میں اور واپسی پر بہت سے اہل اللہ سے ملنے کا بہترین موقع ہاتھ آیا۔ حضرت الشیخ العارف المفسر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز اور بلوچستان کے بطل جلیل مولانا عرض محمد صاحب کی عیادت کے لئے پہلے مطلع العلوم کوئٹہ شہر اور پھر سبی شہر میں حاضری دی۔ واپسی پر چند مقامات کے بعد دین پور شریف اور خانپور میں حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت درخواستی مدظلہم کی خدمت میں حاضری کا شرف ملا۔ وہاں سے شجاع آباد پہنچ کر رمضان المبارک شروع ہو چکا تھا۔ درس "ترجمۃ القرآن" ان کے بڑے صاحبزادے (جن کا اسم گرامی اس وقت ذہن میں نہیں) دے رہے تھے۔ خود جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب بہلوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب فراش تھے۔ ان کے ایک خادم کے ذریعہ رقعہ بھجوایا۔ شرفِ باریابی کی اجازت ملی۔ اوپر بالا خانہ میں رونق افروز تھے۔ بہت شفقت و محبت سے پیش آئے۔ بزرگانہ خلق دعاؤں سے نوازا۔ ساتھ ہی اپنی مطبوعہ بہت سی چھوٹی چھوٹی کتب تبرکاً عنایت فرمائیں۔ بندہ نے بھی اپنی مطبوعات مکتبہ حکمت اسلامیہ نوشہرہ کا سیٹ پیش خدمت کیا۔ جسے بہت پسند فرمایا اور دعا بھی فرمائی۔ اس کے بعد حضرت الشیخ لاہوری قدس سرہ العزیز کی ازحد توصیف و تعریف فرمائی، جس کے الفاظ تو محفوظ نہیں۔ لیکن مفہوم یوں تھا کہ

"حضرتؒ اس دور میں اللہ کی برھان اور مسلمانوں کے لئے ہدایت، رحمت، برکت کا بڑا سامان تھے ہم سب ان کے فیوضات سے محروم ہو گئے۔ ہر وہ مسلمان بہت خوش نصیب ہے جسے ان کے دامنِ فیض سے نسبت و تعلق حاصل ہے۔" (ملخصاً)

پھر پلیٹ میں کھجوریں وغیرہ عطا فرمائیں کہ اس سے آج افطار کرنا۔ ہماری تبلیغی جماعت کے امیر محترم عبد المجید صاحب نے چلتے وقت اپنے نافرمان لڑکے کے لئے کسی وظیفہ کے حصول اور دعا کی درخواست کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان کے لئے عرض کیا تو فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اکیس۲۱ مرتبہ اس کے تصور سے پڑھکر اس پر پھونک دیا کرے۔ انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اور فرمایا کہ کسی کو ٹھیک راستہ پر ڈالنے اور اس کے دل میں محبت و عظمت پیدا کرنے کے لئے اکسیر ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ جی صرف بسم اللہ۔ آپ نے فرمایا "ہاں مولوی صاحب یہ تو سِرٌ من اسرار اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی میں تو سب کچھ ہے۔ آپ کو بھی اس کی اجازت ہے۔

پھر اخلاق کریمانہ سے ایک لمبی دعا سے نوازا۔ حجرہ مقدسہ کے دروازہ تک باوجود ضعف و نقاہت کے تشریف لائے۔ معانقہ کی دولت سے نوازا۔ بہت خوشی تھی کہ ایک ولی دوراں سے ملاقات و حصولِ دعا کا شرف نصیب ہوا۔ ادھر ہم خانیوال حضرت مولانا عبد المالک صدیقیؒ کی ملاقات اور رائے ونڈ سے ہو کر واپس نوشہرہ پہنچے۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت بہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں ایک عریضہ ارسال کیا۔ دعا کی درخواست اور انجمن خدام الدین کے اشاعتی پمفلٹوں کے علاوہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے ان اسباق کی تکمیل کے لئے اپنی تمنا عرض کی جس کا ابتدائی حصہ اذکار و مراقبات مجھے مدینہ منورہ کے عارف کامل حضرت مولانا عبد الغفور العباسی رحمۃ اللہ علیہ سے وہاں کے دو ماہ کے قیام کے دوران اور بعد میں عطا ہوئے تھے۔ ویسے بحمد اللہ تعالیٰ قادری راشدی سلسلہ مبارکہ نسبت و تعلق کی سعادت تو حضرت الامام قطب العالم الشیخ المفسر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی۔ تو اس عریضہ کے جواب میں درج ذیل گرامی نامہ ملا جس سے دیدہ و دل باغ باغ ہو گئے۔ ملاحظہ کیجئے!

"مکرم محترم مولانا احمد عبد الرحمن صاحب سلامت باشند"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نوازش نامہ موصول ہوا ما فیہا سے آگاہی ہوئی۔ عرض پر نیاز بندہ کو اپنی بے بضاعتی و ناکارگی پیش نظر ہے۔ کیا جب

ان حضرات کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ورضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیوضات سے فیضیاب ہیں و مجاز ہیں انفاس طیبات سے وانوار سینہ سے وروحانیت سے کامیاب ہیں۔ پھر بھی شکریہ سے دور ہیں۔ ولئن شکرتم لازیدنکم ہونا چاہیئے۔ سلسلہ قادریہ کے اسباق و نقشبندیہ کے کمالات نبوت کے کیفیات بفضلہ تعالیٰ کفایت ہیں۔ پھر کمالات رسالت و اولوالعزم وغیرہ کی بھی اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے نوازش نامہ مختصر تحریر فرماتے رہیں۔ بندہ بھی معروضات پیش کرتا رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ بندہ کے دونوں آنکھوں میں موتیا اتر رہا ہے۔ اسی لئے زیادہ تحریر سے معذور ہوں۔ معافی کا طالب ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کی ہر طور سے ورد ہو یا روحانیت کے طور ہو اجازت ہے۔ آپ کے ہر دو ہاں کی دعا کے لئے دست بدعا ہوں۔ انجمن مدرسہ کے لئے مجھ جیسے بے حال سے چند سطور کی کیا ضرورت ہے۔ عطر آں است کہ خود ببوید۔ عرض بیمار رہا کرتا ہوں۔ نہایت ضعیف ہو گیا ہوں۔ یہی کفایت ہے اور دعا کا خواستگار ہوں۔

والسلام۔ عبداللہ عفی عنہ از حبیب آباد

ڈاکخانہ شجاع آباد۔ ۲۴ جمادی الاول ۱۳۹۲ھ

اس کے بعد ایک دوسرا خط تحریر کیا اس کے جواب میں درج ذیل دعائیہ والا نامہ ملا اور یہی ان کا آخری عنایت نامہ ثابت ہوا۔

مخدومی جناب مولانا صاحب سلامت باشند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ (وبرکاتہ)۔ عرض محبت نامہ ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین و دنیا میں سرفراز فرماتے۔ اپنا بناتے۔ اپنے کاموں میں لگاتے۔ اپنی محبت و حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا فرماتے۔ مہربانی فرمائی۔ یاد فرمایا جزاکم اللہ تعالیٰ۔ بندہ کی صحت شفاء کے لئے دعا کیا کریں۔ بندہ دعا کرتا ہے۔

والسلام۔ بفرمان حضرت الشیخ دامت برکاتہم العالیہ ۶ر اکتوبر ۱۹۷۵ء

خادم لنگر و مدرسہ احقر عزیز احمد عفی عنہ

ابن الشیخ بہلوی۔ حبیب آباد

---

قریبی دنوں میں بندہ نے ان کی خدمت بابرکت میں ایک رجسٹری خط بھیجا جس میں حضرت الشیخ قطب العالم المفسر لاہوری نور اللہ مرقدہم کی جدید مکمل سوانح مبارکہ کے بارہ میں معلومات وغیرہ کی درخواست کی تھی۔ اور جواب گرامی کے لئے مجسم انتظار تھا کہ ناگہانی ترجمان اسلام لاہور کے ذریعہ ان کے انتقال پُر ملال کی خبر وحشت اثر پائی۔ از حد صدمہ ہوا ختم کلام پاک وغیرہ کا ایصال ثواب مدرسہ انجمن خدام الدین نوشہرہ میں کیا گیا۔ رب کریم قبول فرمائیں

ان کے جانشین و صاحبزادہ گرامی قدر حضرت مولانا عبدالحی صاحب مدظلہم کی خدمت میں تعزیتی خط ارسال کیا اور حضرت الشیخ کی سوانح طیبہ کے بارے میں بھی معلومات طلب کیں جس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ

از ضلع مظفر گڑھ۔ محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرض: حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ والد بزرگوار رضی اللہ عنہ کے تعلقات دیرینہ ہیں...

والد صاحب کو حضرت مولانا تاج محمود امروٹی رضی اللہ عنہ کے پاس لے جانے والے حضرت لاہوری ہیں۔ ایک یا دو مرتبہ ساتھ گئے ہیں اس کے علاوہ والد صاحب نے قرآن مجید کا ترجمہ مکمل حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا تھا۔ اور جب بھی شجاع آباد آتے۔ والد صاحب کے پاس ضرور آتے۔ ایک مرتبہ لاہور سے سپیشل والد صاحب کے ملنے کے لئے لاہوری صاحب آئے۔ بھول کر حضرت قاضی احسان احمد صاحب مرحوم کی مسجد میں چلے گئے۔ والد صاحب کو علم ہوا، اپنے گھر لائے۔ اور تمام اہل عیال کو بیعت کرایا۔ اور اپنے داماد میرے بہنوئی میاں احمد بخش کو بیعت کرایا۔ ان واقعات کا سن مجھے یاد نہیں کہ تاریخ کونسی تھی۔ اور والد صاحب کے خطوط بھی برائے کرم دکھادیں۔ مہربانی ہوگی۔

یاد آوری کا شکریہ! فقیر عبدالحی غفرلہ

اس خط میں بھی اکابرین سے حضرت بہلوی کے خصوصی تعلق و محبت کا پتہ چلتا ہے۔ رب کریم ان کے تمام صاحبزادگان و جانشین محترم و شاگردان مکرم اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلائے اور ان کی برکت سے دینی و دنیوی سعادت نصیب فرماتے۔ آمین

ابھی حال ہی میں ماہنامہ الحق ماہ اگست ۷۸ء کے صہ پر بھی حضرت بہلوی کے ارشادات میں مذکورہ بالا خط کے واقعہ کو خود انہوں نے بیان فرمایا ہے جس سے مزید تصدیق مہیا ہوگئی۔

---

## بقیہ سیدنا صدیق اکبر رض

چکے مگر جو شخص اللہ کی بندگی کرتا ہے وہ بے شک زندہ ہے اور اس کے لئے کوئی موت نہیں ہے۔ اس کے بعد قرآن پاک کی آیت کی تلاوت کی۔

یہ سن کر لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور ساتھ ہی ایسا محسوس ہوا کہ گویا یہ آخری آیت انہیں معلوم تھی۔ اب جب حضرت ابوبکر رض نے آیت تلاوت کی تو آنکھوں سے پردہ اٹھتا گیا اور اس قدر موثر ثابت ہوئی کہ ہر شخص اسے پڑھ رہا تھا۔

# حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا ایک مثالی بیوی

مہ جبیں سالک

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کی دختر تھیں۔ یہاں سے آپ کا خاندان رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ تھیں۔ آپ کے والد بھی اپنے قبیلے کے بہت ممتاز رکن تھے۔

حضرت خدیجہؓ ایک عاقبت اندیش مستقل مزاج اور ایک شریف بیوی تھیں۔ باوجود اس بزرگی اور برتری کے ہوتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی تھی، بہت شدت وقوت کی مالک اور محنت و مشقت کی عادی تھیں۔ آپ کی طبیعت میں حد درجہ استقلال تھا۔

حضرت خدیجہؓ زوجہ رسول اکرمؐ

تمام قریش میں خاندان کے لحاظ سے سب سے زیادہ شریف، عزت کے اعتبار سے سب سے بڑی اور مال وزر کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر تھیں۔ آپ کی شادی پہلے ابوہالہ سے ہوئی اور ان سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ابوہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن مخزومی کے عقد میں آئیں۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ اسی بناء پر حضرت خدیجہؓ اُمِ ہند کے نام سے پکارا جاتی تھیں۔ عتیق کے انتقال کے بعد آپ آنحضورؐ کے عقد میں آئیں۔

حضرت خدیجہؓ بیوگی کے زمانہ میں بڑے پیمانہ پر تجارت کیا کرتی تھیں۔ ابن سعد سے روایت ہے:

"تنہا حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت کل قریش کے تجارت کے سامان کے برابر ہوتا تھا۔ رسول پاکؐ بھی ان دنوں تجارت کا مال بصرے لے جایا کرتے تھے۔ آپؐ کی ایمانداری کے بہت چرچے تھے حضرت خدیجہؓ نے بھی آپؐ سے اپنا سامان تجارت لے جانے کا کہا، جسے آپؐ نے قبول کر لیا اور حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر بصرے تشریف لے گئے۔ آنحضرتؐ بہ نفس نفیس بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ آپؐ کے تجارت کے واقعات کتب احادیث میں مذکور ہیں۔ آپؐ کی سائب نامی ایک شخص کے ساتھ تجارت مشترک تھی۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے بھی آپؐ کی خوش معاملگی کی شہادت دی تھی۔ آپؐ کی ایمانداری اور دیانتداری کے چرچے سن کر ہی حضرت خدیجہؓ نے آپؐ سے اپنا سامان تجارت لے جانے کا کہلوایا تھا۔ جسے آپؐ نے قبول کر لیا اور اس طرح حضرت خدیجہؓ کو خود بھی آپؐ کی دیانتداری اور خوش معاملگی کا یقین ہو گیا اور انہوں نے آپؐ سے عقد کرنے کا ارادہ کر لیا۔"

حضرت خدیجہؓ کے تجارتی قافلے میں آنحضرتؐ جب شام سے واپس آئے تو حضرت خدیجہؓ نے چپکے سے آپؐ کے پاس پیغام بھیجا کہ "اے محمدؐ! آپ کو نکاح کرنے میں کیا امر مانع ہے" آپؐ نے فرمایا "میرے ہاتھ میں وہ سامان نہیں ہے جس سے نکاح کر سکوں۔"

حضرت خدیجہؓ نے پھر پیغام بھیجا کہ، "اگر سامان ہو جائے اور آپؐ کو حسن وجمال، زر و مال، شرف و کفایت کی جانب دعوت دی جائے تو کیا آپؐ قبول فرمائیں گے؟"

الغرض آپؐ نے نکاح کی اس پیشکش کو قبول فرمالیا۔ پھر حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کے پاس پیغام بھیجا کہ فلاں وقت آئیں اور اپنے چچا عمرو بن الاسد کو اپنے پاس بلالیا کہ وہ آکر نکاح کر دیں۔ چنانچہ وہ حاضر ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ تشریف لائے جن میں سے ایک نے نکاح کی رسم ادا کی۔

حضرت خدیجہؓ واقعہ اصحاب فیل سے پندرہ برس قبل پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرتؐ کے ساتھ نکاح کے وقت آپ کی عمر چالیس برس تھی اور آنحضورؐ کی عمر مبارک پچیس برس تھی۔ نکاح کے بعد آپ پچیس برس تک زندہ رہیں۔ رسول پاکؐ کو آپ سے بے حد محبت تھی۔ آپ کی زندگی میں حضورؐ نے دوسری شادی نہیں کی۔

حضرت خدیجہؓ ایک مثالی بیوی تھیں۔ اسلام کے مطابق ایک بہترین بیوی کی تمام خصوصیات آپ میں موجود تھیں۔ بہت خوش اخلاق اور شفیق، بے حد مقدس اور عظمت و فضیلت والی بیوی تھیں۔ اپنے

پاکیزہ اخلاق کے باعث آپ طاہرہ کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔

جس وقت حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکاح کیا، عمرو بن اسد بن عبدالعزیٰ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ ان کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی اور یہ خود بھی اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کی واحد اولاد تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد بن الاسد حربِ فجار سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔

حضرت خدیجہؓ ہر مشکل اور پریشانی کے وقت میں رسولِ پاک ﷺ کو بہت تسلی و تشفی دیا کرتی تھیں۔ جب رسولِ پاک ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ سخت گھبراہٹ کے عالم میں گھر تشریف لائے اور آتے ہی تمام واقعہ حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا۔ انہوں نے آپ کو کمبل اوڑھا دیا۔ کیونکہ گھبراہٹ کی وجہ سے آپؐ کا جسم مبارک کانپ رہا تھا۔ اور کہا کہ آپؐ گھبرایئے نہیں اس میں آپؐ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور کوئی بہتری ہوگی۔ آپؐ نے کبھی کوئی بُرا کام نہیں کیا اور نہ ہی کبھی کسی کو تکلیف پہنچائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔

آپؐ ہر کام کرنے سے پہلے حضرت خدیجہؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ رسولِ پاک ﷺ کو بچپن میں ایک مرتبہ ثوبیہ نامی ایک عورت نے اپنے لڑکے کے ساتھ دودھ پلایا تھا۔ یہ واقعہ حلیمہ سعدیہ کی آمد سے قبل کا ہے۔ ثوبیہ ابولہب کی لونڈی تھیں (انہوں نے حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کو بھی دودھ پلایا تھا)۔ رسولِ پاک ﷺ مکہ میں ثوبیہ کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے اور پھر ہجرت کے بعد بھی آپؐ ثوبیہ کا حال دریافت فرماتے تھے اور ان کے لیے سامان اور کپڑے بھیجا کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ بھی ثوبیہ کی بزرگ داشت کرتی تھیں۔ ثوبیہ ان دنوں آزاد نہ تھیں۔ جب رسولِ پاک ﷺ مکہ میں تھے حضرت خدیجہؓ نے ان کی آزادی کی غرض سے ابولہب سے درخواست کی، کہ ان کے ہاتھ ثوبیہ کو فروخت کر دیں تاکہ آزاد کر دی جائیں، مگر ابولہب نے انکار کر دیا تھا۔ اس سے حضرت خدیجہؓ کی رحمدلی اور ہمدردی کی روشن مثال ملتی ہے۔

آپ مسلمان بیوی ہونے کے ناطے اپنی مثال آپ تھیں۔ آنحضرت ﷺ آپ کو بہت پسند فرماتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ سب سے پہلی اسلام لانے والی خاتون ہیں۔ آغازِ اسلام کے مصائب میں آپ آنحضرت ﷺ کی بہت معاون اور ہمدرد ثابت ہوئیں۔ جب تک نماز کی فرضیت کا حکم نہیں تھا۔ آپ رسولِ پاک ﷺ کے ساتھ مل کر نوافل پڑھا کرتی تھیں۔ شعبِ ابی طالب میں اقامت کی مشکلات میں بھی آپ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں اور کمالِ ادب کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ نے تمام تکالیف برداشت کیں۔ رسولِ پاک ﷺ کو اپنی تمام بیویوں میں آپ سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

"مجھے دنیا میں اور کسی پر اتنا رشک نہیں آتا جتنا خدیجہؓ پر آتا ہے۔"

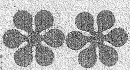
آپ کی وفات کے بعد بھی رسولِ پاک ﷺ اکثر آپ کو یاد فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی تمام اولاد بھی حضرت خدیجہؓ سے تھی۔

اتنا مال و زر ہونے کے باوجود حضرت خدیجہؓ تمام کام اپنے ہاتھوں سے کرنا پسند فرماتی تھیں۔ محنت و مشقت سے بالکل نہ گھبراتی تھیں۔ بیحد ہمدرد اور فراخ دل تھیں۔ تبلیغِ اسلام میں رسولِ پاک ﷺ کی سب سے معاون و ہمدرد بیوی ثابت ہوئیں۔ جب اہلِ مکہ نے آپؐ کے پیغام کی تکذیب کی تو حضرت خدیجہؓ نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے وہ اسلام لائیں۔

صحیح بخاری اور مسلم سے حدیث ہے کہ "عالم میں افضل ترین عورت مریمؑ اور خدیجہؓ ہیں۔"

حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک مرتبہ وحی لے کر آپؐ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ آپؐ خدیجہؓ کو یہ خوشخبری سُنا دیجئے کہ ان کو جنت میں ایسا گھر ملے گا جو موتی کا ہوگا اور جس میں محنت و مشقت نہ ہوگی۔

حضرت خدیجہؓ نے ۱۰ر رمضان المبارک سنہ ۱۰ نبوی کو یعنی ہجرت سے تین سال قبل وفات پائی۔ آپؐ کو ان کی وفات کا بہت رنج ہوا اور آپؐ ایک ہمدرد اور بہترین معاون بیوی کے ساتھ سے محروم ہو گئے۔



# تعارف وتبصرہ

## تحفۃ الہند

خلوص سے جو کام کیا جائے اللہ تعالیٰ اس کا ضرور صلہ عطا فرماتے ہیں۔ مولانا محمد عبید اللہ صاحب مالیر کوٹلہ کے رہنے والے تھے۔ ہندو دھرم سے تعلق تھا اننت رام ان کا نام تھا اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی حقانیت ان پر واضح فرمائی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ قبول اسلام کے ساتھ ہی انہوں نے مختلف مذاہب کا دقت نظر سے مطالعہ کیا۔ ان مذاہب کے ذمہ دار لوگوں سے ملے۔ اور کھل کر گفتگو کی اس کے بعد ۱۲۶۸ھ میں یہ رسالہ سپرد قلم فرمایا اور اس طرح تواصی بالحق کا فریضہ سرانجام دیا۔ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے سرفراز فرمایا اور لاتعداد لوگ اسکو پڑھ کر مسلمان ہوئے جن میں سے بعض حضرات کی فہرست ان کے ہلکے پھلکے تعارف کے ساتھ اس جدید ایڈیشن میں شامل ہے امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی کے لئے بھی یہی کتاب مسیحا ثابت ہوئی جس کا ذکر آپ نے اپنی آپ بیتی میں فرمایا ہے بقول مولانا ۱۸۸۴ء میں جبکہ ان کی عمر صرف ۱۲ سال تھی۔ ایک آریہ سماجی لڑکے سے یہ کتاب ملی۔۔۔۔

اسلام کی صداقت نے میرے دل و دماغ پر ایک نقش سا قائم کر دیا۔

دہلی کے مشہور عالم مکتبہ مجتبائی نے بھوپالی وغیرہ کے نسخوں کو سامنے رکھ کر ۱۳۳۰ھ ۱۹۱۲ء میں یہ رسالہ بڑے اہتمام سے چھاپا اس کے بعد یہ نایاب ہو گیا لیکن اس کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے مدرس مولانا عبد القیوم صاحب کی توجہ سے مکتبہ مدنیہ باغبانپورہ جدید گوجرانوالہ نے اس کو پورے اہتمام سے چھاپا ہے اور لطف یہ ہے کہ وہ چند صفحات کا تکملہ بھی اس میں شامل کر دیا ہے جو عام اشاعتوں میں نہ تھا۔ کاغذ اور جلد وغیرہ میں کمال نفاست کے مظاہرہ کے باوجود قیمت صرف ۱۸/- روپے ہے۔ اس کتاب کی اشاعت تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے انتہائی مفید ہے۔ اسی نقطہ نظر سے اس کو بکثرت پھیلانا ضروری ہے مکتبہ حنفیہ حمید مارکیٹ مینا بازار گوجرانوالہ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

## الوشیعہ فی نقد عقائد الشیعۃ

مشہور مسلم مفکر و مصنف علامہ موسیٰ جار اللہ مرحوم المتوفی ۱۳۶۹ھ کی یہ کتاب شیعہ حضرات کے عقائد و افکار کے معاملہ میں بڑے معرکہ کی کتاب ہے۔ کراچی کی مشہور عالم مجلس علمی کی لائبریری کے ناظم اور صاحب علم بزرگ مولانا محمد طاسین صاحب کی توجہ پر انہی کے نسخہ کو سامنے رکھ کر لاہور کے ایک معروف اشاعتی ادارہ سہیل اکیڈمی نے روائتی نفاست پسندی کے ساتھ شائع کیا ہے۔

شیعہ حضرات کی تاریخ جیسی کچھ ہے وہ معلوم ہے۔ حضور علیہ السلام کے سانحہ ارتحال کے فوراً بعد منافقین مدینہ نے اسلام کو فنا کرنے کے لئے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے اور خلافت کا نام نہاد جھگڑا کھڑا کر کے اپنے خبث باطنی کا مظاہرہ کیا حضرت فاروق سے لیکر حضرت علی رضی اللہ عنہم تک کی شہادت اور بعد میں مختلف اسلامی حکومتوں کی تاراج کے لئے اس طبقہ کی کارروائیاں تاریخ کا ایک حصہ ہے اس گروہ کے عقائد و نظریات ایک ایسا ملغوبہ ہے کہ پناہ بخدا، متعہ سے لیکر سب و شتم تک اس جذبات کے ارکان ہیں جن سے کہ باشعور ابا کرتا ہے۔ اس طبقہ کے افکار پر بعض دوسرے مصنفین نے بڑی کاوش سے کتابیں لکھی ہیں علامہ مرحوم کی یہ کتاب ان کے گہرے غور و فکر اور طویل تحقیق و تفحص کا شاہکار ہے کتاب عربی زبان میں ہے اور اہل علم کے لئے ایک نایاب تحفہ ہے ایسی متین اور سنجیدہ کتابیں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں اگر ہمارے ارباب مدارس اس کتاب کو شامل درس کر لیں تو طلبہ برادران اسلام کی پہلی اپوزیشن سے بخوبی واقف ہو سکے گی۔

سہیل اکیڈمی نے بڑا احسان کیا ہے کہ اس نایاب تحفہ کو مارکیٹ میں لائی ہے۔ کاغذ اور طباعت وغیرہ میں سہیل اکادمی کا ایک اپنا معیار ہے جو خوب سے خوب تر کا مصداق ہے ہمیں امید ہے کہ اہل علم اس کی قدر کریں گے۔ قیمت درج نہیں۔

## قاصمۃ الظہر فی بلند شہر

۴۸ صفحات کا یہ مختصر رسالہ ضلع بلند شہر کے مشہور قصبہ خورجہ کے ایک دردمند مسلمان جناب عبدالغنی صاحب خورجوی کا تالیف کردہ ہے جو ابھی حال ہی میں انجمن ارشاد المسلمین ۳ بی شاداب کالونی حمید نظامی روڈ لاہور نے چھپوایا ہے اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۳۲۷ھ میں مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کا ادھر جانا ہوا۔ ان کے وعظ کے بعد جناب احمد رضا بریلوی کے عقیدت مندوں نے روائتی ہنگامہ کھڑا کیا اور بات مناظرہ تک پہنچی۔ حضرت مولانا عمادالدین صاحب مرحوم نے علماء دیوبند کی ذمہ داری اور اعلیحضرت سمیت ان کے عقیدت مندوں کا ذمہ حافظ محمد اعظم صاحب نے لیا۔

اس دور کے اکابر علماء دیوبند جن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور مولانا تھانوی جیسے حضرات شامل تھے اس اختلاف کا قلع قمع کرنے کے لئے پوری رضامندی کا اظہار کیا۔ ان بزرگوں میں مؤخر الذکر دونوں بزرگوں کی تحریرات پر تو خانصاحب بریلوی کو شدید اعتراض تھا لیکن طویل خط و کتابت کے باوجود خانصاحب یا ان کے عقیدت مندوں میں سے کوئی بھی آمادہ نہ ہوا۔ بریلوی حضرات یہ تاثر دیتے ہیں کہ حضرت تھانوی وغیرہ نے اختلافات کے تصفیہ کے لئے کبھی اقدام نہیں کیا یہ رسالہ جہاں اس دعویٰ کی تردید ہے وہاں آپ کو اس داستان کا پتہ بھی چل جائے گا کہ جناب خاں صاحب بریلوی جن کے علم و فضل کا آج بڑا چرچا کیا جا رہا ہے کس طرح راہ فرار و گریز اختیار کی حقیقت یہ ہے کہ بعض دوسرے طبقات کی طرح یہ طبقہ بھی کسی خفیہ ہاتھ کے اشارہ پر ملت کی صفوں میں انتشار کے لئے سرگرم عمل رہا اور اب تک ہے اے کاش کہ یہ لوگ اپنے پیدا کرنے والے کا خوف محسوس کرتے اور انہیں احساس ہوتا کہ ملت میں انتشار کتنا سنگین جرم ہے یہ رسالہ مقتدین کی ریشہ دوانیوں کے خلاف ایک سنجیدہ احتجاج اور رد عمل ہے۔ اور ہمیں امید ہے کہ اس کو اسی نقطہ نظر سے پڑھا جائے گا۔ انجمن کے ارباب بست و کشاد ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے یہ قیمتی دستاویز جمع کی اور اس کی اشاعت کا اہتمام کیا قیمت ۳/۰ روپے۔

## آپ بیتی

مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم ایک صاحب طرز انشاپرداز۔ ادیب المصنف اور مفسر تھے۔ ان کا اردو انگریزی ترجمہ قرآن اور تفسیر بعض لبشری خطاؤں کے باوجود بڑے معرکہ کی چیز ہے سچ اور صدق کے ایڈیٹر کی حیثیت سے موصوف نے طویل عرصہ تک ملت کی سنجیدہ کوشش کی۔ حکیم الامت تھانوی کی نظر کیمیا اثر نے الحاد کی دلدل میں گھٹنوں گھٹنوں پھنسے ہوئے عبدالماجد کی کایا کلپ کر دی اس کا اعتراف مرحوم عبدالماجد کو تھا۔ اور وہ قدم قدم پر اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ مرحوم نے اپنی زندگی میں احباب کے اصرار پر اپنی آپ بیتی لکھی جو بے حد دلچسپ اور عبرت آموز ہے مشہور مفکر اور نامور عالم دین مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے۔ جس نے کتاب کی افادیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

کتاب میں دو ایک مقام بری طرح کھٹکتے ہیں جن کا اظہار از بس ضروری ہے یعنی یہ کہ مرحوم نے مسٹر محمد علی لاہوری کیلئے نرم گوشہ کا اظہار کیا ہے جس کا باعث غالباً اس طبقہ کی روائتی عیاری ہے اس کے علاوہ کتاب اس لائق ہے کہ اسے غور سے پڑھا جائے بڑے لوگوں کی آپ بیتی جگ بیتی کا مصداق ہوتی ہے اور اس میں بعد کے لوگوں کے لئے بے پناہ فوائد مضمر ہوتے ہیں کتاب کی طباعت وغیرہ بھی خوب ہے اور قیمت ۳۰/۰ روپے مناسب ہے ملنے کا پتہ: سید احمد شہید اکادمی ۸/A ۱۴۱ ادجید آباد کراچی۔

## نفحات الجنۃ

حضرت الامام لاہوری قدس سرہ کے خلیفہ ارشد مولانا عبدالعزیز جالندھری رحمۃ اللہ تعالےٰ نے مشہور حنفی محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالےٰ کی تالیفات سے یہ مجموعہ مرتب فرمایا ہے جس میں مختلف النوع درود شریف بڑے سلیقے سے مرتب کر کے ان کا سلیس ترجمہ شامل کر دیا ہے درود پاک باعث خیر و برکت اور امت کے لئے فوز و فلاح دارین کا باعث ہے لیکن ہوس پرست لوگوں نے ہر چیز کو بازاری بنا کر رکھ دیا ہے اس کتاب میں پوری سند کے ساتھ وارد ہونے والے

درود شریف شامل کر دیئے گئے ہیں۔ تاکہ پڑھنے والوں کو صحیح نفع ہو۔ ابتدا رسالہ میں درود کے مسائل و فضائل اور اس سے متعلقہ حکایات کو بڑے سلیقہ سے درج کیا گیا ہے جو زیادہ ترغیب و شوق کا باعث ہے مکتبہ اعلیٰ حضرت سادات ملتان نے حضرت مرحوم سے ان کی زندگی میں اس مجموعہ کے چھپوانے کی اجازت لے لی تھی اب بڑی خوبصورتی سے اس کو چھپوایا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ارباب مکتبہ نے الگ پمفلٹ میں جمعہ اور نکاح کے خطبات شائع کئے ہیں جمعہ کے دوسرے خطبہ میں پیغمبر اسلام علیہ السلام کی چاروں صاحبزادیوں کے ساتھ بعض ان صحابہ علیہم الرضوان کے اسماء گرامی بڑی خوبی کے ساتھ شامل کئے گئے ہیں جو بیگانوں کو چھوڑ کر اپنوں کی ناوک افگنی کا شکار ہیں اس خطبہ کے عام رواج سے رفض و سبائیت کے جراثیم کا انسداد ہو سکے گا۔ اور دونوں رسالے ۲۵ پیسے کے ٹکٹ ارسال کر کے منگوائے جا سکتے ہیں۔

# عادل حکمران

محمد شفیع عمرالدین (میرپور خاص سندھ)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک زاہد اپنے وقت کے خلیفہ کے پاس حاضر ہوا۔ خلیفہ نے اس کو کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کریں۔ زاہد نے کہا کہ مجھے ایک مرتبہ ملک چین کے سفر پر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کا بادشاہ کانوں سے بہرہ ہو گیا تھا اور وہ بہت روتا تھا اور کہتا تھا کہ میں اس لئے نہیں روتا کہ میرے کان سننے سے جواب دے چکے ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے روتا ہوں کہ جب مظلوم میرے دروازے پر حاضر ہو کر فریاد کریں گے۔ تو میں ان کی فریاد سن کر دادرسی نہ کر سکوں گا۔ لہذا اس نے حکم جاری کیا اور منادی کرادی کہ میری آنکھیں سلامت ہیں۔ جس شخص پر ظلم کیا جائے، وہ سرخ لباس پہن کر میرے سامنے آئے۔ بادشاہ روزانہ ہاتھی پر سوار ہو کر محل سے باہر آتا اور جس شخص کو سرخ لباس میں دیکھتا، اسے اپنے پاس طلب کرتا اور اس کی داد رسی کرتا۔

یہ بات بیان کرنے کے بعد زاہد نے کہا کہ اے امیر المومنین! یہ بادشاہ کافر تھا۔ پھر بھی اسے مخلوق کے ساتھ اس قدر شفقت تھی۔ آپ تو مومن ہیں اور اہل بیت رسول میں سے ہیں۔ لہذا آپ کو اس بات کا خیال کرنا چاہیئے کہ آپ کی شفقت لوگوں پر کس طرح ہونی چاہیئے۔

(کیمیائے سعادت فارسی صہ ۲۲۴)

کیا ہی بھلے تھے وہ حکمران، جو زاہدوں اور نیکوں سے نصیحت کی باتیں سن کر انہیں عملی جامہ پہناتے تھے اور مخلوق خدا کی فلاح و بہبودی کو ہر وقت مدنظر رکھتے تھے اور عدل و انصاف کا دامن مضبوط پکڑ کر حکمران کی دعائیں لیتے تھے۔ سہ

خدا را برآں بندہ بخشائش است
کہ خلق از وجودش در آسائش است (سعدیؒ)

یعنی اللہ تعالیٰ کی بخشش اس بندہ پر ہے جس کے وجود سے لوگوں کو آرام حاصل ہوتا ہے اور راحت پہنچتی ہے۔

## اے جنوں اور انسانوں کے گروہ

اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے نکل سکتے ہو، نکل جاؤ۔ تم بغیر زور کے نہ نکل سکو گے ——
(اور وہ ہے نہیں) پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ——؟

تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائیگا۔ پھر تم بچ نہ سکو گے

سورہ الرحمٰن آیت ۳۳ تا ۳۵